مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۹ | رجب المرجب ۱۴۳۹ھ | اپریل ۲۰۱۸ء | شمارہ ۴

مطاہر الاموال

تزکیہ نفس کی اہمیت و طریقہ

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے   زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

مطاہر الاموال

(تزکیہ نفس کی اہمیت وطریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	مال اور مسلمان	۱۱
۳	ہندوؤں کا خیال	۱۲
۴	طلب منصب	۱۴
۵	مدح میں قدح	۱۶
۶	کمالات انبیاء	۱۷
۷	بے دینی پر مبنی کتابوں کا حکم	۱۹
۸	بزرگوں کی قسمیں	۲۰
۹	ترغیب انفاق	۲۲
۱۰	ایک عجیب سوال وجواب	۲۴
۱۱	تدبیر وتقدیر	۲۵
۱۲	سائنس دانوں کی غلط فہمی	۲۶

۱۳........	جنت کی کنجی..	۲۷
۱۴........	مصیبت وراحت..	۲۸
۱۵........	انتظار کے بعد نعمت ملنے کی حکمت..	۲۹
۱۶........	بعد مشقت لذت راحت..	۳۰
۱۷........	جنت کی راحت..	۳۱
۱۸........	زیادت مال کے اثرات..	۳۲
۱۹........	غربت کا فائدہ..	۳۳
۲۰........	علماء کی کوتاہی..	۳۵
۲۱........	حفاظت دین کا انتظام..	۳۷
۲۲........	مسلمانوں کی ترقی کا طریقہ..	۳۸
۲۳........	سادگی اور عزت..	۳۹
۲۴........	سادگی کی چند مثالیں..	۴۱
۲۵........	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی..	۴۳
۲۶........	سادہ لباس کی خوبی..	۴۳
۲۷........	طلب اور اتباع..	۴۴
۲۸........	بے جا گھبراہٹ..	۴۵

۲۹........	چندہ کی تحریک..	۴۸
۳۰........	آیت متلوۃ کا شان نزول........................	۴۹
۳۱........	انگریزی تعلیم کا نقصان..	۵۱
۳۲........	طہارت ظاہری وباطنی...............................	۵۳
۳۳........	قاری صاحب کی حکایت...........................	۵۴
۳۴........	تلاوت کی برکت..	۵۶
۳۵........	اہل اللہ کی اصلاح..	۵۷
۳۶........	اہل اللہ کا حال..	۵۸
۳۷........	حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا حال........................	٦۰
۳۸........	فکر اصلاح..	٦۱
۳۹........	طہارت باطنہ کے حصول کا طریقہ.....................	٦۲
۴۰........	مجاہدات میں سہولت..	٦۴
۴۱........	ترک معاصی کی ضرورت..	٦۵
۴۲........	توبہ واستغفار کا اہتمام..	٦۷
۴۳........	نسبت راسخہ کا اثر..	٦۸
۴۴........	مجاہدہ کی ضرورت..	۷۰

۴۵........ نماز کی پابندی کا طریقہ................................ ۷۰

۴۶........ مراقبہ موت کی ضرورت................................ ۷۱

۴۷........ خاتمہ البیان................................ ۷۳

۴۸........ مقصود وعظ................................ ۷۳

وعظ

مطاہر الاموال

(تزکیہ نفس کی اہمیت وطریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم .اما بعد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے تزکیہ نفس کے متعلق یہ وعظ بروز اتوار ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۵ھ سالانہ جلسہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں منبر پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ جو ڈھائی گھنٹے میں ختم ہوا۔ سامعین کی تعداد قریباً ۲۰۰۰ تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قلمبند فرمایا۔

حکیم الامت نے فرمایا کہ تزکیہ نفس میں صدقہ وخیرات کرنے کو بہت دخل ہے اس لئے اس کی ترغیب دی گئی۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۸-۱-۱٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (۱)

تمہید

اس آیت میں ایک ضروری مضمون کا بیان ہے اس لئے میں نے اس کو اختیار کیا ہے اور ہر چند کہ قرآن کی سب آیتوں میں ایسے ہی مضامین ہیں جو سب ضروری ہیں اور خاص خاص ضرورتوں کے لئے کافی ہیں مگر اس وقت خاص اس آیت کے اختیار کرنے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ میں ابھی دیوبند گیا تھا اور وہاں اس سے پہلی آیت ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۲)

---

(۱) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالوں میں سے صدقہ (جو کہ یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں'' سورۂ توبۃ:۹/۱۰۳

(۲) ''اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا انہوں نے ایک کام نیک اور ایک بد کیا۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' سورۂ توبہ:۹/۱۰۲۔

کی تقریر ہوئی تھی جس میں اعترافِ خطا کا بیان ہے اور اہل علم میں یہ خطا عام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ بلکہ تاویلات وتوجیہات کرنے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کو وہاں اختیار کیا تھا۔ اور یہ مرض طالب علمی ہی کے وقت سے ان میں پیدا ہوتا ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ کتب درسیات میں بعض مصنفین سے جو غلطی ہوگئی ہے شراح اور محشین (۱) ان کی تاویلات وتوجیہات کیا کرتے ہیں تاکہ مصنف سے اہل علم کو بدگمانی نہ ہو۔ اس سے طلباء کو تاویل وتوجیہ کی عادت پڑ جاتی ہے حالانکہ محشی اور شارح کی تاویل وتوجیہ کا منشاء تواضع ہے۔ کہ وہ باوجود دوسرے کی غلطی معلوم ہوجانے کے اس کے کلام کو محمل حسن پر محمول کرتے (۲) اور اپنے مواخذہ کو ضعیف (۳) کردیتے ہیں مگر طلباء نے اس سے الٹا سبق سیکھا کہ اپنی خطاؤں میں خود ہی تاویل کرنے لگے۔ جس کا منشاء محض کبر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے اس لئے میں نے وہاں اس مضمون کو بیان کیا تھا۔

پھر چونکہ سہارنپور کا سفر اسی کے متصل ہوا تو خیال ہوا کہ جیسے یہاں کا سفر دیوبند کے سفر کے متصل ہے تو بیان بھی وہاں کے بیان سے متصل ہو۔ یعنی مناسب یہ معلوم ہوا کہ یہاں بیان ایسی آیت کا ہو جو پہلی آیات سے متصل ہوتا کہ اتصال صوری کے ساتھ اتصال معنوی بھی جمع ہوجائے (۴) اس خیال کے بعد جو اگلی آیت میں غور کیا تو وہ اس جلسہ کی حالت کے بہت ہی مناسب معلوم ہوئی۔ اس واسطے اس کو اختیار کرلیا گیا۔

یہ میں نے اس لئے کہا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ بس یہاں جس آیت کا بیان کیا جارہا ہے اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ اس سے پہلی آیت کا بیان اس سے پہلے

(۱) کتاب پر حاشیہ یا اس کی شرح لکھنے والے حضرات (۲) اچھے معنی پر محمول کرتے ہیں (۳) اپنی طرف سے مصنف پر کی گئی گرفت کو ناقص اور بے کار قرار دیتے ہیں (۴) تاکہ صورت ومعنی دونوں اعتبار سے متصل ہوجائیں۔

ہو چکا ہے اور فی نفسہ اس آیت کا بیان ضروری نہ تھا۔ تو یہ ایسا ہوا جیسے ایک وزیر نے ایک قاضی کو لکھا تھا۔

ایھاالقاضی بقم قد عزلناك فقم اے قاضی اٹھ جاؤ ہم نے تم کو معذول کردیا۔ پس اٹھ کھڑے ہو۔ اور اس نے خط دیکھ کر کہا تھا۔

واللّٰہ ما عزلتنی الا ھذہ السجعۃ خدا کی قسم تو نے مجھے معذول نہیں کیا بلکہ اس قافیہ نے معذول کیا ہے۔

سو یہ بات نہیں بلکہ واقع میں بھی اس آیت کا مضمون اس جلسہ کے لئے بہت مناسب ہے چنانچہ تقریر آیت سے معلوم ہو جائے گا۔

مال اور مسلمان

دوسری وجہ اس آیت کے اختیار کی وہ یہ ہے جو امـــوالھـم کے سننے سے آپ کے ذہن میں آئی ہوگی چونکہ قرآن سے مسلمانوں کو عام طور پر مناسبت ہے۔ اس لئے وہ لوگ بھی جو عربی پڑھے ہوئے نہیں اجمالاً الفاظ ہی سے مقصود کو سمجھ لیتے ہیں۔ تو آپ نے خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً[۱] ہی سے سمجھ لیا ہوگا کہ میں آج انفاق مال کا ذکر کروں گا۔ اس کو سبیت اختیار میں [۲] اس لئے دخل ہے کہ آج کل مسلمانوں کو انفاق مال [۳] کے مضمون سے نہایت توحش ہے [۴] اس کے سننے سے بھی گھبراتے ہیں اور اسی وجہ سے میں اپنے بیانات میں مال کا ذکر بہت کم کرتا ہوں۔ مگر یہ ایک بڑی کوتاہی ہے، میری بھی اور سامعین کی بھی۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن میں جابجا ذکر فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔ تو یہ بھی شریعت کا ایک جزو ہے۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے) سورۂ توبہ: ۱۰۳/۹
(۲) اس آیت کو اختیار کرنے میں بطور سبب اس کو بھی دخل ہے (۳) مال خرچ کرنا (۴) گھبراہٹ ہوتی ہے۔

پس میری یہ کوتاہی ہے کہ میں اس جزو کا بیان بہت کم کرتا ہوں اور مسلمانوں کی یہ کوتاہی ہے کہ وہ اس سے متوحش ہوتے اور گھبراتے ہیں شریعت کے کسی جزو سے متوحش ہونا سخت مرض ہے (۱) جس کی اصلاح ضروری ہے اور توحش کا علاج یہ ہے کہ جس مضمون سے توحش ہو اس کو بار بار سنا جائے۔

ہندوؤں کا خیال

جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک ہندو ریاست کے راجہ سے پنڈتوں نے شکایت کی کہ مسلمانوں کی اذان سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں سے کہا جائے کہ اذان آہستہ کہا کریں۔ راجہ نے وزیر کو مخاطب کر کے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے بدکتا تھا تو ہم نے اس کی چمک (۲) اس طرح نکالی تھی کہ اس کو توپ کے پاس بندھوا کر توپ سے فائر کئے گئے چند روز میں اس طرح کرنے سے اس کی چمک دور ہوگئی۔ اسی طرح ہمارے دیوتا مسلمانوں کی اذان سے بھاگتے ہیں تو بڑی مشکل کی بات ہے اگر مسلمانوں کو یہ راز معلوم ہوگیا تو جب ہم دیوتاؤں سے کچھ کہنے جایا کریں گے مسلمان زور سے اذان دے دیا کریں گے اور دیوتا ہماری بات بھی نہ سن سکیں گے، پس لازم ہے کہ ان کی اس وحشت کو دور کیا جائے جس کا یہی طریقہ ہے کہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ وہ ہمارے دیوتاؤں کے پاس کھڑے ہوکر بہت زور زور سے اذان دیا کریں تا کہ ان کی چمک دُور ہو۔ یہ طریقہ مناسب نہیں کہ مسجدوں کی اذان کو بند کیا جائے یا آہستہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں پر ہمارا راز کھلے گا۔

اسی طرح اس وقت مسلمانوں کو جو مضمونِ مال سے گھبراہٹ ہے، اس کے رفع کرنے کے لئے بھی اسی تدبیر کی ضرورت ہے کہ اس قسم کے مضامین بار بار

(۱) شریعت کے کسی جزء کے بیان سے وحشت ہونا بہت بڑا مرض ہے (۲) مستی۔

بیان کئے جائیں ۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وحشت رفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ سے چندہ مانگا جائے ہرگز نہیں۔ نہ اس وقت میرا یہ مقصود ہے نہ میرا جی چاہتا ہے کیونکہ مسلمانوں کے پاس مال ہی کہاں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ان آیات کے صحیح معنی بیان کردیئے جائیں تاکہ اُن کی گھبراہٹ اور وحشت رفع ہوجائے۔ یہ جو آپ کو مال کے بیان سے وحشت ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو ان آیات واحادیث کے صحیح معنی معلوم نہیں جس میں انفاق مال کا حکم ہے۔ ہمارے بھائی مسلمانوں کو زیادہ تر کھال کھسوٹوں سے پالا پڑا ہے۔اس لئے یہ مال کے ذکر سے گھبراتے ہیں۔اب چاہے کوئی واعظ کھال کھسوٹ بھی نہ ہو اُس سے بھی اگر مال کا ذکر سنتے ہیں تو گھبراتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے میرا ایک بھتیجا ایک بار میرے وعظ میں بیٹھ گیا۔گرمی کا موسم تھا۔اُس کو پیاس لگی اور وہاں پانی کا انتظام نہ تھا۔ وعظ دیر تک ہوا اور اس کا پیاس کے مارے برا حال ہوا اس روز سے وہ وعظ سے ہی ڈر گیا۔اب جب کبھی اس سے کہا جاتا ہے کہ وعظ میں چلو گے؟ کہتا ہے،نا۔ پیاسا مرنا پڑے گا۔

ایسے ہی ہمارے بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ جس وعظ میں مال کا ذکر ہوگا، ہماری کھال کھسوٹی جائے گی(۱)۔ صاحبو! قرآن وحدیث میں جو انفاق مال کی ترغیب ہے(۲) اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ ہر وقت مال خرچ کیا کرو یا جب کسی واعظ کو انفاق مال کا وعظ کہتے ہوئے سنو اس کے بعد ہر جلسہ میں مال دینا تمہارے ذمہ ضروری ہوجائے گا۔ بلکہ شریعت نے اس کے لئے حدود وقواعد مقرر کئے ہیں ان حدود وقواعد کے سننے سے معلوم ہوگا کہ نہ ہمیشہ مال خرچ کرنا ضروری ہے نہ ہر وعظ اور ہر جلسہ میں ضروری ہے بلکہ خاص وقت اور حالت میں دینا ضروری ہے۔ اب مسلمانوں کا ذکرِ مال سے گھبرانا اور یہ سمجھنا کہ ایسے مواعظ کے سننے سے مال

(۱) ہماری کھال کھینچی جائے گی (۲) مال خرچ کرنیکی ترغیب ہے۔

دینا پڑے گا ایسا ہے جیسے کوئی شخص مسہل سے[1] اس واسطے گھبرائے کہ اس کے پینے سے ہمیشہ دست بہتے رہیں گے کبھی بند ہی نہ ہوں گے بتلایئے اگر کوئی مسہل کو ایسا سمجھے اور اس وجہ سے ہمیشہ مسہل سے ڈرے تو وہ غلطی پر ہے یا نہیں۔ یقیناً غلطی پر ہے سو یہی آپ کی حالت ہے۔

طلب منصب

اس پر مجھے کانپور کا ایک واقعہ یاد آیا کہ وہاں جمعہ کے دن ایک بزرگ آئے اور انہوں نے خود درخواست کی کہ جمعہ کی نماز میں پڑھاؤں گا۔ مسجد والوں نے ان کی درخواست منظور کرلی۔ اول تو یہی بے قاعدہ کام ہوا کہ طالب کو امامت دی گئی جو قانون شریعت کے خلاف ہے۔ اسلام کی تعلیم ہے اور ہم بڑے فخر سے اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

طالب التولية لايولى کہ طالب منصب کو کوئی منصب نہ دو۔

کوئی قوم اس حکم کی نظیر پیش تو کرے۔ ان شاء اللہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ تعلیم نہ ملے گی۔ آج کل ساری دنیا کے بادشاہوں کو بھی یوں ہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ طلب کرنے والوں ہی کو عہدے دیتے ہیں۔ ہر عہدہ کے لئے ان کے پاس سینکڑوں درخواستیں پہنچتی ہیں۔ انہی میں سے کسی ایک کو عہدہ مل جاتا ہے۔ منجملہ ان مناصب کے ایک منصب مولویوں کے واسطے بھی رکھا گیا ہے یعنی شمس العلماء کا خطاب یہ بھی گورنمنٹ خود کسی کو نہیں دیتی بلکہ جو شخص کوشش کرتا ہے اور بہت سی سفارشیں پیش کرتا ہے اور روپیہ خرچ کرتا ہے اس کو یہ خطاب مل جاتا ہے۔ دنیا میں کیسا کایا پلٹ ہوا ہے[2] کہ لوگ اپنے واسطے خود ہی لمبے چوڑے لقب تجویز کرتے ہیں اور حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو یہ لقب دے دو۔

---

(۱) دست آور دواء پینے سے (۲) کیسا نظام بدلا ہے۔

اور یہ حکومت بھی ایسی سخی ہے کہ ان درخواست کرنے والوں ہی کو خطاب دے دیتی ہے۔ کسی کو شمس العلماء کہہ دیا کسی کو بدر العلماء خطاب دے دیا۔

پھر یہ لوگ خطاب ملنے کے بعد قوم کی اصلاح شروع کر دیتے ہیں۔ مگر ویسی ہی اصلاح جیسے حجام (۱) کیا کرتے ہیں۔ وہ تو بالوں کو مونڈتا ہے اور یہ مسلمانوں کے دین کو مونڈنا شروع کرتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ وہ زائد بال کو مونڈتا ہے۔ اور یہ اصل اجزائے دین کو۔

وجہ یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنے لیے القاب کی کوشش کریں گے ان کا دیندار ہونا تو معلوم، ان کی لیاقت وقابلیت بھی معلوم۔ جو شخص واقع میں صاحب کمال ہوتا ہے اس کو ہرگز یہ فکر نہیں ہوتی کہ کوئی مجھے کیا کہتا ہے نہ وہ اپنے لیے القاب وخطابات تجویز کرتا ہے یہ کام انہی لوگوں کا ہے جن کو حقیقی کمال حاصل نہیں۔ مگر ان لمبے چوڑے خطابات سے عوام دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جب ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا ہے تو یہ بہت ہی بڑا عالم ہوگا وہ ان کی تحقیقات کو علمی اور شرعی تحقیقات سمجھتے ہیں حالانکہ علم دین اور شریعت سے ان کو مس بھی نہیں ہوتا (۲)۔ غالب حالت اہل خطاب کی یہی ہے۔ شاذونادر کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کو بدوں درخواست کے خطاب مل جاتا ہے اور وہ واقع میں اس خطاب کا اہل ہوتا ہے ورنہ عام حالت یہی ہے کہ یہ خطاب اکثر نااہلوں کو ملتا ہے اور ان کی درخواست اور کوشش کے بعد ملتا ہے۔

چنانچہ ایک شمس العلماء نے آج کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے جس پر ان کی جماعت کو فخر وناز ہے اور نو تعلیم یافتہ مسلمان محض اس وجہ سے کہ اس کا مصنف ایک خطاب یافتہ شمس العلماء ہے اس کو بہت شوق سے دیکھتے اور منگاتے ہیں مگر ان کو خبر نہیں کہ یہ خطاب ایک جال ہے جس میں ناواقفوں کو

---

(۱) نائی (۲) شریعت ان کو چھو کر بھی نہیں گذری۔

پھنسایا جارہا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

زآن کہ صیاد آورد بانگ صفیر　　تا فریبد مرغ را آن مرغ گیر(۱)

مدح میں قدح

میں نے اس سوانح عمری کا صرف ایک مقام اتفاقاً دیکھا ہے بس اسی سے مجھ کو مصنف کے دین کا حال معلوم ہوگیا اور اسی سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سوانح کیسی ہوگی عنوان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کا اختیار کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نام ہی ایسا ہے کہ سنتے ہی ہر مسلمان جان دینے کو تیار ہوجاتا ہے مگر مدح نبوی(۲) کے عنوان میں مضمون ایسا لکھا گیا ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو سخت ایذا(۳) دی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات تھے، آپ میں نبوت کے ساتھ سلطنت وانتظام کا بھی کامل مادہ تھا اور عیسیٰ علیہ السلام میں تمدن وسلطنت کا سلیقہ نہ تھا اسی لئے وہ جنگلوں میں پھرتے تھے۔ نوح علیہ السلام میں ترحم کم تھا اسی واسطے غرق کی دعا فرمائی۔

صاحبو! کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے کہ دوسرے انبیاء کی تحقیر وتوہین کی جارہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب بھائی بھائی ہیں اور یقیناً ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی تحقیر کو گوارا نہیں کرسکتا۔ خصوصاً دیندار بھائی، خصوصاً انبیاء علیہم السلام جو کہ نفسانیت سے بالکل مُبَرَّا ہیں(۴) وہ ہرگز اپنی ایسی مدح سے خوش نہیں ہوسکتے جس میں ان کے دوسرے بھائی کی تنقیص کی گئی ہو(۵)۔

رہا یہ کہ ہم کو یہ کیسے معلوم ہوا کرے کہ فلاں مدح میں دوسرے حضرات کی تنقیص ہے سو اس کا معیار یہ ہے کہ ہر بات میں یہ سوچ لیا کرو کہ اگر اس جلسہ

(۱)"شکاری پرندے کو شکار کرنے کے لیے اسی کی طرح کی جھوٹی آواز نکالتا ہے تاکہ پرندے کا شکار کرسکے(۲) تعریف نبوی (۳) تکلیف (۴) بالکل پاک ہیں (۵) دوسرے بھائی کی عیب جوئی کی گئی ہو۔

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام تشریف فرما ہوں تو کیا ہم اس بات کو سب حضرات کے سامنے کہہ سکتے ہیں۔ اس معیار کے بعد میں کہتا ہوں کہ کیا یہ شخص ایسے مجمع میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں اور نوح علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہوں، یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں اور نوح علیہ السلام میں نعوذ باللہ ترحم کا مادہ نہ تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سلیقہ تمدن وسلطنت نہ تھا۔ یقیناً ایسے جلسہ میں اس بات کی کسی کو جرات نہیں ہو سکتی۔ پس لامحالہ یہ تنقیص وتوہین انبیاء میں داخل ہے (۱)۔

کمالات انبیاء

افسوس اس شخص نے محض اس وجہ سے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں سلطنت کا موقع نہیں ملا یہ نتیجہ نکال لیا کہ ان میں اس کا سلیقہ ہی نہ تھا کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تمام کمالات کے جامع ہوتے ہیں۔ ان میں ناقص کوئی نہیں، یہ اور بات ہے کہ بعض بعض سے اکمل ہیں لیکن ناقص ان میں کوئی نہیں۔ کوئی نبی رحم سے خالی نہیں اور نہ کوئی سلیقہ سلطنت سے خالی ہے۔ ہر ایک میں تمام کمالات حسنہ موجود ہیں لیکن ان کا ظہور حق تعالیٰ کے اذن پر ہے (۲)۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ارادہ واختیار کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس وقت اللہ تعالیٰ جس کمال کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ اسی کو ظاہر کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

من چو کلکم در میان اصبعین نیستم در صف طاعت بین بین

اور

خفتہ از احوال دنیا روز وشب چوں قلم در پنجہ تقلیب رب

ان کی مثال ایسی ہے جیسے قلم، کہ قلم سب کچھ لکھ سکتا ہے مگر کب؟ جب کہ کوئی دوسرا ہاتھ میں لے کر اس کو چلائے پھر وہ وہی لکھے گا جو یہ شخص لکھنا چاہے گا

(۱) یقیناً اس جملہ سے انبیاء کی توہین لازم آتی ہے (۲) اللہ کے حکم پر ہے۔

اگر وہ عربی لکھوانا چاہے تو یہ عربی لکھے گا، فارسی لکھوانا چاہے تو فارسی لکھے گا۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جس قلم سے عربی لکھی گئی ہے وہ فارسی نہیں لکھ سکتا یا بالعکس ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ جس کے ہاتھ میں قلم تھا اس نے عربی ہی لکھوائی تھی اگر وہ فارسی لکھواتا تو قلم میں اس کی بھی قابلیت تھی۔

یوں ہی انبیاء علیہم السلام کو سمجھو کہ ان میں تمام اخلاق حمیدہ و ملکات فاضلہ موجود ہیں مگر حق تعالیٰ جس وقت جس ملکہ سے کام لینا چاہتے ہیں اس وقت وہ اسی ملکہ (۱) سے کام لیتے ہیں اس سے دوسرے ملکات (۲) کی نفی پر استدلال کرنا اس مورخ کی عقلمندی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اب تک حق تعالیٰ نے انتظام سلطنت کا کام نہیں لیا اس لئے یہ ملکہ ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن جس وقت وہ آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے اور بہت بڑی سلطنت کریں گے جس کی مدح وثنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اس وقت معلوم ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں سلطنت کا سلیقہ ایسا ہے کہ کوئی بادشاہت بھی ان جیسی نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ انتظام سلطنت وتمدن کا سلیقہ ان میں اس وقت بھی بدرجہ اتم موجود تھا مگر ظہور نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرنا نہیں چاہا۔ اخیر زمانہ میں اس کا ظہور ہو جائے گا۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام میں اس وقت یہ ملکہ موجود نہیں تھا تو کیا آسمان میں رہ کر یہ سلیقہ حاصل ہوگیا۔ وہاں تو سارے فرشتے نیک ہی ہیں۔ نہ وہاں کوئی مفسد نہ چور نہ کافر نہ مشرک نہ وہاں ٹیکس کی ضرورت ہے نہ فوج کی نہ محصول لینے کی نہ قواعد حرب سکھلانے کی۔ ایسی جگہ رہ کر سلطنت کا طریقہ کیونکر آ گیا۔ اور اگر کہو کہ حق تعالیٰ نے سکھلا دیا یا فرشتوں نے بتلا دیا تو یہ بات تو ان کو زمین میں رہ کر بھی حاصل تھی۔ کیونکہ وہ نبی اولوالعزم ہیں جن کے پاس جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ آتے رہتے تھے پھر اس مورخ نے ان کو سلیقہ تمدن وسلطنت سے کیوں خالی مانا۔

(۱) اسی خصوصیت (۲) دوسری خصوصیات کی نفی نہیں کی جاسکتی۔

بے دینی پر مبنی کتابوں کا حکم

اب بتلائیے اس سوانح عمری کا پڑھنا اور دیکھنا اور خریدنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ نص میں صاف حکم موجود ہے۔

﴿إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾(۱)

یعنی جب آیات اللہ واحکام الٰہیہ کے ساتھ کفر واستہزاء(۲) ہورہا ہو تو تم وہاں نہ بیٹھو جب تک یہ بیہودہ گفتگو ختم ہوکر دوسری بات شروع نہ ہو اگر تم کفر واستہزاء کی باتوں کو سنو گے تو تم بھی انہی کے مثل ہوگے جو کفر واستہزاء کے مرتکب ہیں اور یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو ان باتوں کے بند کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور جس کو قدرت ہو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ ان لوگوں کا منہ بند کردے اور ایسی کتابوں کی اشاعت روک دے ان کو ضبط کرکے ضائع کردے۔ مگر ظاہر ہے کہ ہم کسی کا منہ بند نہیں کرسکتے نہ کسی کتاب کو ضبط کرکے ضائع کرسکتے ہیں یہ کام حکومت کا ہے واقعی حکومت بھی عجیب چیز ہے۔ ہمارے مولانا کا ارشاد ہے۔

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم　　　　والسیف ابلغ وعاظ علی القمم(۳)

حقیقت میں سیف سب سے بڑا واعظ ہے مگر جب یہ نہیں تو اب وہی حکم ہے کہ ایسی باتوں کو سنو ہی نہیں اور جن کتابوں میں ایسی خرافات ہوں ان کو دیکھو نہیں نہ خریدو نہ ان کی اشاعت کرو۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل حالت یہ ہے کہ طالبوں کو عہدے اور خطاب دیئے جاتے ہیں اس پر گفتگو طویل ہوگئی اور شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص عہدہ

(۱) سورۃ النساء:۴/۱۴۰ (۲) مذاق اڑانا (۳) اگر علم وحکمت پر مبنی وعظ ہو تو اس سے فائدہ ہوتا اور نافرمانوں کے لئے سب سے بڑا واعظ تلوار ہے۔

کا طالب ہو اس کو ہرگز مت دو۔ کیونکہ وہ خود غرض ہوگا تو کانپور کی جامع مسجد میں اول تو یہی کام بے قاعدہ ہوا کہ طالب کو امانت دی گئی مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بزرگ طالب امانت ہونے کی وجہ سے بزرگ نہ رہے۔ نہیں وہ واقعی بزرگ تھے۔

بزرگوں کی قسمیں

مگر بزرگ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کامل نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ حضرات بھولے نہیں ہوتے بلکہ ہوشیار ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب ہوشیار تھے کوئی نبی بھولے نہیں ہوئے انبیاء علیہم السلام کا اعقل الناس ہونا کفار کو بھی مسلم ہے (۱) بلکہ وہ ہم سے زیادہ انبیاء کی عقل کے معتقد ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے جو کچھ کارِ نمایاں ہوئے ہم تو ان کو خدا تعالیٰ کا کیا ہوا سمجھتے ہیں اور مخالف سارا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سمجھتا ہے اور سب کارناموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل وتدبیر کا نتیجہ بتلاتا ہے۔ تو وہ ہم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ودانشمندی کا معتقد ہے۔ ہم تو قرآن کو جو عقول کو حیران کرنے والا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں اور مخالف اس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف بتلاتا ہے۔ تو بتلائیے وہ ہم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کا معتقد ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ وہ ہیں جو مقام نبوت کے وارث نہیں بلکہ مقام ولایت کے وارث ہیں۔ ان میں بعض بھولے ہوتے ہیں بعض مجذوب بھی ہوتے ہیں گو وہ بزرگ بھولے تھے انہوں نے سادگی کے طور پر امامت کی درخواست کی تھی۔ تکبر اس کا منشاء نہ تھا اور گرمی سخت پڑ رہی تھی اور بزرگ صاحب نے سورہ ق کی تلاوت نماز میں شروع کردی پھر بعض لوگ تو ایسی روانی سے پڑھتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دریا بہتا ہوا جا رہا ہے ایسے شخص کی طویل قراءت بھی گراں نہیں ہوتی بلکہ لذیذ ہوتی ہے مگر بزرگ صاحب نے ایسی ترتیل کی کہ لفظ لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے

(۱) سب لوگوں سے زیادہ عقلمند ہونا اس کو کفار بھی مانتے ہیں۔

تھے۔ آخر لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بعض کو قے ہوگئی، کسی کو چکر آ گیا۔ اور ایک آدمی کا عجیب قصہ یہ ہوا کہ وہ نیا نمازی تھا اس کو بعض لوگ گھیر گھار کر نماز کے لئے لائے تھے جب بزرگ صاحب نے سوہ ق شروع کی اور کھڑے کھڑے دیر ہوگئی تو وہ نیت توڑ کر یہ کہہ کر چل دیا کہ اسی واسطے تو ہم نماز نہیں پڑھتے۔

تو جیسے یہ نیا نمازی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ کر سب کو انہی پر قیاس کر کے نماز ہی سے ڈر گیا اسی طرح ہمارے بھائی کھال کھسوٹوں کے بیانات چندہ کے متعلق سن کر سب سے ڈر گئے (۱) اور وہ کسی کی زبان سے انفاق مال کا مضمون (۲) سننا نہیں چاہتے اور واقعی جن واعظوں سے ان کا پالا پڑتا ہے ان کا بیان ہے ہی ڈرنے کے قابل یہ لوگ اس بری طرح سے مسلمانوں کے پیچھے پڑتے ہیں کہ سامعین کو خواہ مخواہ ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

چنانچہ ایک جلسہ میں ایک مولوی صاحب نے چندہ کے لئے بڑی کوشش اور تقریر میں بہت ہی زور لگایا مگر کسی نے کچھ بھی نہ دیا۔ تو مولانا کیا کہتے ہیں کہ افسوس علماء کی قدر رنڈی کے برابر بھی نہیں۔ اگر اتنی دیر کوئی رنڈی ناچتی گاتی تو اس کے اوپر ہزاروں روپیہ نثار کیا جاتا۔

آہ! بھلا غور تو کیجئے۔ کیا یہ مضمون تہذیب سے خارج نہ تھا۔ کیا اس میں اس شخص نے علماء کو اور مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا۔ اب ایسے بیانات سن کر عوام اگر چندہ کے نام سے نہ ڈریں تو کیا کریں۔ عوام کا کچھ قصور نہیں اس میں زیادہ قصور ایسے مقرروں کا ہے جو یوں تہذیب سے باہر ہوکر چندہ مانگتے ہیں۔ البتہ عوام کا اتنا قصور ضروری ہے کہ انہوں نے سب علماء کو انہی کھال کھسوٹوں پر قیاس کر لیا (۱) اور بعض تو شریعت کے اس حکم انفاق سے ہی ڈر گئے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے یہ خوف نکالا جائے اور ایک حکم شرعی سے جو ان کو

(۱) ایسے لوگوں کے بیانات سنکر جن کا مقصد لوگوں کے مال بٹورنا ہوتا ہے سب سے ڈر گئے (۲) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا مضمون (۳) کھال نوچنے والوں پر قیاس کر لیا۔

انقباض ہو گیا ہو اس کو نکالا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے احکام شرعیہ کے صحیح مطالب بیان کئے جائیں۔

ترغیب انفاق

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر احکام شرعیہ اپنی اصلی صورت میں پیش کئے جائیں تو ہرگز کسی مسلمان کو ان سے انقباض نہیں ہوسکتا۔ بھلا جس نبی کی یہ تعلیم ہو۔ الا لا یحل مال امرا مسلم الا بطیب نفس منه (۱) کہ کسی مسلمان کا مال بدوں ان کے طیب قلب کے لینا حلال نہیں ہے۔

ان کے احکام سے کسی کو وحشت اور گھبراہٹ کیونکر ہوسکتی ہے اور جس خدا کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴾ (۲) یعنی اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو تم کو اجر و ثواب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال نہیں مانگیں گے۔

ان کے احکام سے کون منقبض ہوسکتا ہے (۳) آگے اللہ تعالیٰ ہمارے اترے پترے کھولتے ہیں۔ (۴) ﴿ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴾ (۵) کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال مانگنے لگیں پھر اصرار کے ساتھ مانگیں تو تم بخل کرنے لگو۔ اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کردے پس اس سے بےفکر رہو۔

اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال زور ڈال کر نہیں مانگتے اور صدقات واجبہ کی مقدار اتنی قلیل ہے کہ ان میں ناگواری کا احتمال ہی نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ﴾ (۶) تمہاری تو یہ حالت ہے کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو

(۱) کتاب التمہید لابن عبدالبر: ۱۰/۲۳۱ (۲) سورۂ محمد: ۴۷/۳۶ (۳) کس کا دل تنگ ہوسکتا ہے (۴) تمہاری حالت کو بیان کرتے ہیں (۵) سورۂ محمد: ۴۷/۳۷ (۶) سورۂ محمد: ۴۷/۳۸۔

اس پر بھی بعضے تم میں سے بخل کرتے ہیں۔

یعنی تم سے لپٹ کر سوال نہیں کیا جاتا، صرف ترغیب دی جاتی ہے جس کا نفع تمہاری ہی طرف عائد ہوتا ہے (۱) چنانچہ شریعت نے جن مصارف میں صرف کی ترغیب دی ہے (۲) ان کے معلوم ہونے کے بعد اس کا یقین ہوجائے گا کہ آخرت کا نفع تو جدا رہا دنیا میں بھی ان مواقع میں صرف کرنا نافع ہے۔ پھر بھی بہت لوگ بخل کرتے ہیں۔ آگے نہایت استغناء سے فرماتے ہیں۔

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ (۳) کہ جو کوئی انفاق فی سبیل اللہ سے بخل کرتا ہے وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے۔ (یعنی اپنے ہی کو نفع دائمی سے محروم کرتا ہے خدا کا کچھ نہیں بگاڑتا)۔ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (۱) اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں بلکہ تم سب اس کے محتاج ہو۔

پس تمہارے بخل کرنے سے یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ نعوذ باللہ خدا کو کچھ ضرر پہنچے گا بلکہ خود تم کو ہی ضرر پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن مواقع میں صرف (۴) کی ترغیب دی ہے تمہاری ہی مصلحت کے لیے اور تمہارے ہی نفع کے لئے دی ہے۔

اس میں بخل کرنا ایسا ہے جیسے کسی مریض کو طبیب نسخہ لکھ کر دے اور کہے کہ یہ چار روپے کا نسخہ ہے۔ چار روپے خرچ کرکے اس کو بنالو۔ اس پر مریض کہے کہ میں تو چار روپے خرچ نہیں کروں گا۔ تو حکیم کہے گا بھائی میرا کیا نقصان ہے۔ اگر تم اس میں بخل کروگے اپنی ہی جان سے بخل کروگے۔

غرض اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مال مانگتے نہیں صرف ترغیب دیتے ہیں۔ وہ بھی ایک قلیل حصہ کی جو زیادہ نہیں۔ پھر وہ ترغیب دے کر تم کو لپٹتے نہیں بلکہ نہایت استغناء سے فرماتے ہیں کہ جو بخل کرے گا اپنے

(۱) لوٹتا ہے (۲) خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے (۳) سورۂ محمد: ۴/۳۸ (۴) سورۂ محمد: ۴۷/۳۸۔

ہی سے بخل کرے گا۔ اپنے ہی کو دولت ابدیہ(۱) سے محروم کرے گا۔

ایک عجیب سوال وجواب

اب یہاں یہ سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے نعمت آخرت کو انفاق مال پر ہی کیوں موقوف کیا۔ مفت ہی دے دیتے وہ تو ایسا بھی کر سکتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرصے نان دہد(۲)

جو شخص کوئی چیز مفت پالیتا ہے اس کی قدر نہیں ہوتی ہم نے ارزاں خروں(۳) کی حکایتیں سنی ہیں کہ ایک شخص پچاس روپے کی شال(۴) سے دو روپیہ کا جوتا صاف کر رہا تھا کسی نے ملامت کی کہ ایسی قیمتی شال کی تم نے کیسی بے قدری کی کہنے لگا بات یہ ہے کہ جوتا تو میرا خریدا ہوا ہے اور شال میراث میں باپ کے ترکہ سے ملی ہے۔

ارزاں خر پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک ولایتی سے کسی رئیس نے گھوڑے کی قیمت سن کر کہا تھا کہ تم بڑے گراں فروش ہو۔(۵) اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ تم بڑے ارزاں خر ہو۔(۶) غرض مفت کی چیز کی قدر نہیں ہوتی۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک کتاب طبع کے لئے عطا فرمائی تھی کہ اس کو چھاپ کر شائع کر دینا۔ پھر فرمایا کہ کسی کو مفت مت دینا کیونکہ مفت کی قدر نہیں ہوتی بلکہ کچھ قیمت رکھ دینا، چاہے دو تین ہی پیسہ ہو اسی طرح بے شک حق تعالیٰ قادر ہیں کہ آپ کو مفت ہی سب کچھ نعمتیں دیدیں کہ آپ کو نہ مال خرچ کرنا پڑے نہ محنت کرنا پڑے۔ مگر ان قیود میں یہ حکمت ہے کہ اس سے نعمت کی قدر ہوتی ہے اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی یہ حکمت تو کھلی ہوئی ہے جس کو ہم جیسے بھی سمجھتے ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو واللہ حق تعالیٰ تو اب بھی آپ کو مفت

(۱) ہمیشہ ہمیشہ کی دولت (۲) ''جو شخص ارزانی اور آسانی سے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اونے پونے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے جیسے بچہ ایک روٹی کے بدلے موتی دے دیتا ہے'' (۳) جن کو کوئی چیز مفت مل گئی ان کی حکایات سنی ہیں (۴) چادر (۵) مہنگا بیچتے ہو (۶) تم بہت سستا خریدنا چاہتے ہو۔

ہی سب نعمتیں عطا فرماتے ہیں کیونکہ جو نعمتیں انفاق مال کے بعد ملتی ہیں صرف ظاہر میں وہ مفت نہیں معلوم ہوتیں مگر حقیقت میں مفت ہی ملی ہیں۔ کیونکہ جو مال آپ نے خرچ کیا ہے بتلائیے وہ کہاں سے آیا اور کس نے دیا۔ یقیناً وہ حق تعالیٰ کا مال ہے اور حق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔

تدبیر وتقدیر

اگر کوئی یہ سمجھے کہ یہ تو میری تدبیر وسلیقہ سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا۔ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تدبیروں کو راست (۲) کس نے کیا کیونکہ بہت لوگ تم سے زیادہ تدبیریں کرتے ہیں مگر ان کو خاک بھی نہیں ملتا۔ دو طالب علم بی اے کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بعض دفعہ اساتذہ اور سب طلباء یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے زید زیادہ لائق ہے اور وہ نمبر اول میں پاس ہوگا مگر نتیجہ امتحان میں اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے کہ زید فیل ہوجاتا اور عمرو جو اس سے کم درجہ میں ہے پاس ہوجاتا ہے۔ بتلائیے عمرو کی تدبیر کو کس نے راست کیا اور زید کو کس نے ناکام کیا۔ اگر تدبیر پر ہی مدار تھا تو زید کو نمبر اول ہونا چاہیئے تھا۔ مگر مشاہدہ بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح دو شخص تجارت کرتے ہیں جن میں ایک تعلیم یافتہ اور ہوشیار ہے دوسرا بیوقوف اور جاہل ہے تدبیر کا مقتضا یہ تھا کہ تعلیم یافتہ کی تجارت بیوقوف سے زیادہ چلتی مگر مشاہدہ بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے کہ جاہل کی تجارت بڑھ جاتی ہے اور ہوشیار تعلیم یافتہ کو نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ غور کریں گے تو زراعت اور ملازمت وغیرہ تمام امور میں ایسی صدہا نظائر (۳) دیکھیں گے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض تدبیر کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ تدبیر راست بھی ہوجائے (۴) اور یہ بات سوا خدا

---

(۱) قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ مجھ کو یہ سب کچھ ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔ سورۃ القصص: ۲۸/ ۷۸

(۲) درست کس نے کیا کہ اس پر نتیجہ مرتب ہوا (۳) مثالیں (۴) تدبیر صحیح بھی ہوجائے۔

کے کسی کے قبضہ میں نہیں ورنہ اپنی تدابیر کا راست ہونا کون نہیں چاہتا پھر سب کے سب مقصود میں کامیاب ہی ہوا کرتے ناکام کوئی نہ رہتا۔ حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ سو تدبیر کرنے والوں میں بیس تیس کامیاب ہوتے ہیں اور زیادہ ناکام ہوتے ہیں اب اگر یہ کامیاب ہونے والے اپنی کامیابی کو تدبیر کا ثمرہ سمجھیں، تو یہ محض ان کی حماقت ہے۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ تدبیر وہ لوگ بھی کررہے تھے جو ناکام ہوئے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ وہ ناکام ہوئے اور ہم کامیاب ہوگئے۔ یہ سب گفتگو ان لوگوں کے واسطے ہے جو سائنس کے معتقد ہیں ورنہ مسلمان تو سب کے سب یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ محض تدبیر موثر نہیں بلکہ تدبیر کے راست ہونے کے لئے تقدیر کی موافقت کی بھی شرط ہے اور تقدیر مشیت الٰہیہ ہی کا نام ہے۔

سائنس دانوں کی غلط فہمی

اہل سائنس ناز کرتے ہیں کہ ہم نے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کی پہلے لوگوں کو خبر بھی نہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر حقیقت میں تم ہی موجد ہو تو بتلاؤ کہ جس ایجاد کو تم نے ایک سال کے غور و فکر کے بعد ظاہر کیا ہے اس میں ایک سال کیوں لگا۔ اگر تمہارے قبضہ میں سب کام تھا تو ایک ہی دن میں یہ ایجاد کر لی ہوتی اور یہی ایک کیا بلکہ جو چیز ایجاد کرنا چاہو ایک دن بلکہ ایک ساعت بلکہ ایک منٹ میں ایجاد کر لیا کرو۔ کیونکہ سب کام تمہارے قبضہ میں ہے پھر دیر کی کیا وجہ؟ مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کے قبضہ میں نہیں کہ جب چاہے جو کچھ چاہے ایجاد کرلے بلکہ زمانہ دراز تک غور و فکر کرنے کے بعد ایجاد سمجھ میں آتی ہے۔ اب بتلاؤ جس وقت بات سمجھ میں آئی ہے وہ تمہارے اختیار سے سمجھ میں آئی ہے یا ایک سال پہلے بھی خود بخود دل میں آگئی۔ اگر کہو اختیار سے سمجھ میں آئی تو اختیار تو ایک سال پہلے بھی موجود تھا اس وقت کیوں نہ سمجھ لیا، یقیناً کہو گے کہ دفعتاً بلا اختیار سمجھ میں آئی ہے بس یہی تقدیر ہے اور حق تعالیٰ ہی کے سمجھانے سے تمہارے ذہن میں یہ ایجاد آئی ہے۔

کیونکہ ان کی عادت ہے کہ جب انسان کسی کام کے لئے کوشش کرتا ہے اور اپنی سی کوشش صرف کردیتا ہے تو وہ امداد فرماتے ہیں۔ بہرحال یہ کسی کا منہ نہیں کہ اپنے مال ومتاع کو اپنی تدابیر کا نتیجہ اور عقل کا ثمرہ سمجھے۔ ہر شخص کو عاجز ولاچار ہوکر ماننا پڑے گا جو کچھ ہمارے پاس ہے دوسرے کا دیا ہوا ہے یعنی حق تعالیٰ کا۔اب فرمائیے اگر آپ خدا کا دیا ہوا مال اللہ کے راستے میں تھوڑا سا صرف کردیں اور اس کے بعد آپ کو ثواب اور نعمت عظمیٰ عطا کی جائے تو یہ نعمت مفت ملی یا نہیں، یقیناً مفت ملی۔

جنت کی کنجی

مگر انسان کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ اس کی ناتمام تدبیر کے بعد جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اس کو اپنا مال سمجھتا ہے۔حق تعالیٰ نے بھی ظاہراً اس کے جذبہ کی رعایت فرمائی ہے کہ اس کے مال کو اسی کا مال کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم تم سے تمہارا مال نہیں مانگتے ہاں اللہ کے راستہ میں جس نے تم کو یہ مال دیا ہے کچھ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کا نفع تم ہی کو ملے گا۔مگر انسان کا اس سے بھی دل دکھتا ہے تم چاہتے ہو کہ یہ حکم بھی نہ ہوتا تو اچھا تھا تاکہ دل بھی نہ دکھتا تو یہ نہیں ہوسکتا۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارا ہی ہے۔ہم نے ہی تم کو دیا ہے اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ بدوں تمہارا مال دکھائے جنت دے دیں مگر ایسا نہ ہوگا ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ﴾ (۱)

کیا تمہارا امتحان بھی نہ کیا جائے۔تم کو آزمایا بھی نہ جائے۔ یاد رکھو مال ہمارا ہی ہے مگر تم اپنے ہاتھ سے دو جب ہی جنت ملے گی۔

حضرت غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا حق تعالیٰ نے جنت پر قفل تو لگا رکھا ہے مگر قفل کے اندر کنجی (۲) بھی موجود ہے۔بس ہمارا کام

(۱) ''کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کر کے چھوٹ جائیں گے کہ ہم تو ایمان لے آئے، اور ان کے اعمال کی آزمائش نہ ہوگی'' سورۃ العنکبوت:۲/۲۹ (۲) تالے میں چابی بھی موجود ہے۔

صرف اتنا ہے کہ کنجی کو گھما دیں قفل کھل جاوے گا۔ پھر سب نعمتیں ہمارے ہی واسطے ہیں یعنی حق تعالیٰ نے جن کاموں پر جنت کو موقوف کیا ہے ان کے اسباب بھی سب ہم کو خود ہی عطا فرمادیئے۔ مال خرچ کرنے پر بعض نعمتیں موقوف ہیں تو مال ہم کو خود ہی دیا۔ نماز پڑھنے پر بعض نعمتیں موقوف ہیں تو ہاتھ پیر زبان اور ارادہ و اختیار ہم کو عطا کردیا اور اس کے بعد دل میں داعیہ بھی خود ہی پیدا کردیا۔ بس ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اس داعیہ کا اتباع کریں مخالفت نہ کریں اب بتلایئے میرا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں کہ قفل تو ہے مگر قفل کے اندر کنجی بھی لگ رہی ہے۔ صرف گھمانے کی دیر ہے۔ اگر کوئی اتنا بھی نہ کرے تو وہ نہایت کام چور ہے۔

مصیبت وراحت

اس پر مجھے ایک کام چور کی حکایت یاد آئی وہ ایک بزرگ کے پاس رہتا تھا اور یوں چاہتا تھا کہ میرا کام صرف توجہ وتصرف سے بن جائے کچھ کرنا نہ پڑے۔ شیخ نے بہت سمجھایا کہ کچھ کام کر، اور تصرف کے بھروسہ پر رہنے سے منع فرماتے تھے تو اس کو یہ وسوسہ ہوگیا کہ شیخ صاحب تصرف نہیں حالانکہ اگر ایسا بھی ہو تو کچھ نقص نہیں (۱)۔ مگر چونکہ وہ صاحب تصرف بھی تھے اس لئے انہوں نے اس خطرہ کو دفع کرنا چاہا۔ ایک روز مسجد کے دروازہ پر ایک مٹکہ میں پانی بھر کر اور ایک پچکاری لے کر بیٹھ گئے اور راہگیروں پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ جس پر پانی پڑتا تھا وہ بے اختیار کلمہ پڑھنے لگتا تھا۔ سینکڑوں کافروں نے کلمہ پڑھ لیا پھر اس مرید کو بلا کر فرمایا کہ تصرف تو اللہ تعالیٰ نے ایسا دیا ہے، مگر تجھ کو چکی ہی پسوا کردوں گا۔ تجھے بدوں محنت کے نہ دوں گا۔ تو ابتدا ہی سے کندھے سے جوا ڈال کر پہنچنا چاہتا ہے (۲) ارے تھوڑا بہت خود بھی تو کچھ کیا ہوتا۔ اس کے بعد ہی شیخ کامل کے کمال پر بھروسہ کرتا۔ یہ کیا کہ شروع ہی سے ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ گئے۔

(۱) کوئی عیب نہیں (۲) بلا محنت ومشقت کے مراتب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تو یاد رکھو جو شخص کچھ تھوڑا بہت کام کرتا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ مفت بھی دولت دے دیتے ہیں باقی کام چوروں کو مفت نہیں ملا کرتی۔ (الا نـــــادرا والنادر ملحق بالعدم)(۱)

انتظار کے بعد نعمت ملنے کی حکمت

ایک دفعہ مجھے بھی اس خیال نے ستایا تھا۔ طریق میں سے مجھے ایک الجھن پیش آئی۔ اس وقت خیال ہوا کہ ہم میں طلب بھی ہے گو ناقص سہی اور حق تعالیٰ کو ہماری طلب کا علم بھی ہے۔ اور وہ طلب ناقص کے بھی قدردان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی کامل ہے اور قدرت بھی کاملہ ہے وہ جلدی بھی طالب کا کام بنا سکتے ہیں، پھر کیا وجہ کہ جلدی سے واصل نہیں کر دیتے۔ اس خطرہ کا جواب میرے ذہن میں کچھ نہ آیا تو میں نے بسم اللہ کر کے مثنوی کھولی میں اس کا معتقد نہیں کہ مولانا کی روح آتی ہے اور وہ تصرف کرتی ہے بلکہ صرف یہ خیال ہے کہ مثنوی ایک مقبول بندہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ اس میں تسلی کی بات ہم کو بتلا دیتے ہیں چنانچہ بسم اللہ کر کے جو مثنوی کھولی تو یہ اشعار نکلے جو بعینہ میرے سوال کا جواب تھے۔

چارہ می جوید پے من درد تو(۲)

اس میں طلب کو تسلیم کیا گیا ہے۔

می شنیدم دوش آہ سرد تو(۳)

اس میں طلب کے علم کا ذکر ہے۔

می توانم ہم کہ بے ایں انتظار رہنمایم وا دہم راہ گزار(۴)

اس میں قدرت کا بیان ہے کہ تم کو بدوں انتظار کے بھی مقصود تک جلدی

(۱) کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن کبھی ہونا نہ ہونے کے ہی مترادف ہے (۲) "تیرا درد میری طرف علاج ڈھونڈتا ہے" (۳) "میں نے تیری آہ سرد سنی" (۴) "میں تم کو بغیر انتظار کے منزل مقصود تک جلد پہنچا سکتا ہوں"۔

ہی پہنچا سکتے ہیں۔

تا ازیں طوفان دوراں وا رہی برسر گنج و سالم پا نہی(۱)

پھر ہم تم کو انتظار میں کیوں ڈالتے ہیں اور جلدی کیوں نہیں پہنچاتے۔

اس کی وجہ سنو۔

لیک شیرینی ولذات مقر ہست بر اندازہ رنج سفر

آنگہ از فرزند وخویشاں برخوری کز غریبی رنج ومحنت ہا بری(۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرصے نان دہد(۳)

جواب کا حاصل یہ تھا کہ سارے مقدمات تو تمہارے ذہن میں آ گئے مگر یہ مقدمہ ذہن میں نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہیں حکمت کا مقتضا یہی ہے کہ انتظار کے بعد دولت دی جائے جلدی نہ دی جائے تا کہ مصیبت کے بعد راحت کی قدر ہو۔

بعد مشقت لذت راحت

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم بارات میں کیرانہ گئے تھے۔ راستہ میں لوٹتے ہوئے بارش زور سے ہونے لگی تمام جنگل پانی سے بھر گیا رات ہو گئی سخت پریشانی ہوئی بس اس وقت یہ شعر ہماری حالت کا ترجمان تھا۔

شب تاریک وبیم موج گردابے چنیں حائل

کجا دانند حال ماسبک ساران ساحل ہا(۴)

(۱)'' تا کہ تم پریشانی سے محفوظ رہو اور راحت کے ساتھ پہنچ جاؤ'' (۲)'' لیکن وصل کی شیرینی اور قرب منزل کی لذت سفر کی مشقتوں کے اعتبار سے محسوس ہوتی ہے جس کو سفر میں جتنی مشقت ہوگی منزل پر پہنچ کر اتنی راحت ہوگی'' (۳)'' جو ارزاں خریدتا ہے ارزاں دیتا ہے بچہ ایک روٹی کے بدلے ایک موتی دے دیتا ہے'' (۴)'' ہماری حالت (حیرت) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موت کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک میں آ گئی ہو تو ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کیسے خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں''۔

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۔ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ ﴾(۱)

گھر بہت دور نہ تھا۔ صرف چار پانچ کوس(۲) رہ گیا تھا مگر اس مصیبت کی وجہ سے وہ چار کوس طے ہونا مشکل ہو گئے۔ اس کے بعد خدا خدا کر کے جب گھر پہنچے تو گھر پر پہنچنے کی لذت مجھے اب تک یاد ہے کہ اس وقت کیسی راحت اور چین حاصل ہوئی تھی۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

آنکہ از فرزند و خویشاں برخوری کز غریبی رنج ومحنت ہابری(۳)

تو جس کو سلوک میں جتنی زیادہ پریشانی ہو گی اتنی ہی وصول کے بعد اس کو راحت ہو گی اور اس نعمت کی بڑی قدر کرے گا اسی طرح جس کو دنیا میں زیادہ کلفت ہو گی۔ آخرت میں اتنی ہی راحت اور جنت کی قدر ہو گی۔

جنت کی راحت

میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت جب سارے جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور جنت پھر بھی خالی رہے گی اور حق تعالیٰ سے وہ عرض کرے گی کہ مجھے بھریئے کیونکہ آپ نے مجھے بھرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو حق تعالیٰ جنت کو بھرنے کے لئے اسی وقت ایک نئی مخلوق کو پیدا فرمائیں

(۱) ''یا (ان منافقوں کی ایسی مثال ہے) جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد وبرق بھی جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونس لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کافروں کو۔ برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی۔ جہاں ذرا ان کو (بجلی کی) چمک محسوس ہوئی تو اس (کی روشنی) میں چلنا شروع کر دیا اور پھر جب ان پر تاریکی ہوئی تو پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے'' سورۂ بقرۃ:۲/ ۱۹،۲۰ (۲) راستہ کی ایک حد معیّنہ (۳) ''جس کو سفر میں جتنی مشقت اور تکلیف ہو گی منزل پر پہنچ کر اتنی ہی راحت ہو گی''۔

گے تو یہ نئے لوگ بہت اچھے ہوں گے کہ ان کو مفت جنت مل گئی۔ فرمایا کیا اچھے ہوں گے ان کو جنت سے خاک بھی لذت نہ ہوگی وہ تو سمجھیں گے کہ زندہ ہو کر یوں ہی چین ہوتا ہوگا جیسا جنت میں ہو رہا ہے اچھے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ہوں گے کہ جنت میں دنیا کی تکالیف جھیل کر پہنچیں گے ہم کو جنت کی نعمتوں سے زیادہ حظ(۱) آئے گا کہ وہاں قدم رکھتے ہی بے ساختہ زبان سے نکلے گا۔ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُنِ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ﴾(۲) (نیز ہم کو مجاہدہ اور طاعات دنیویہ کی وجہ سے قرب حق اور معرفت بھی ان سے زیادہ ہوگی) پس جن لوگوں کو دنیا میں زیادہ سامان عیش نہیں دیا گیا وہ پریشان نہ ہوں بلکہ خوش ہوں کہ ان کو امراء سے زیادہ جنت میں راحت ہوگی۔

زیادت مال کے اثرات

دوسرے یہ کہ زیادہ سامان تم کو دے دیا جاتا تو تم دنیا ہی کے ہو رہتے خدا کی یاد سے غافل ہو جاتے۔ آج کل مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے دوسری قوموں کے سامان عیش کو دیکھ کر مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ خیر اور سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو دنیا زیادہ نہ ملے۔ اگر ہم کو زیادہ مال دیا جاتا تو رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے۔ آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے۔

کانپور میں دو شخص شب قدر میں ایک بڑا سا ڈھیلہ رومال سے ڈھک کر بیٹھے اور رات بھر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ اس کو سونا بنا دے۔ وعظ میں کسی

---

(۱) لطف (۲) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے سب رنج والم دور کر دیا بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا قدردان ہے جس نے ہمیں محض اپنے فضل سے دار الحزن سے نکالا جہاں سے نکل کر ہم نے نہ تکان محسوس کی اور نہ ہمیں خستگی و درماندگی پہنچی'' سورۂ فاطر: ۳۵/۳۴،۳۵۔

مولوی سے سن گئے تھے کہ شب قدر میں دعا قبول ہوتی ہے وہ ظالم یہ دعا کرنے بیٹھے صبح کو خوشی خوشی جو رومال کھولا تو وہ ڈھیلا کا ڈھیلا ہی تھا۔ بڑے حیران ہوئے کہ شب قدر میں دعا کیوں قبول نہ ہوئی۔ ایک درزی نے کہا کہ اللہ میاں حکیم ہے وہی دعا قبول فرماتے ہیں جو بندہ کے لئے مصلحت ہو، خدا کا شکر کرو کہ یہ سونا نہ بنا ورنہ تم آپس ہی میں مر کٹ جاتے۔

واقعی سچ کہا بعض لوگوں کے لئے یہی حکمت ہے کہ ان کو سامان عیش زیادہ نہ دیا جائے۔ اس پر شاید ان کو یہ شبہ ہو کہ ہماری نیت تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو سامان زیادہ دیں تو خوب نیک کام کریں اور اللہ کے راستہ میں خوب خرچ کریں، تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تم کو کیا خبر ہے کہ اس وقت جو ارادے اور نیتیں ہیں زیادہ مال ملنے کے بعد بھی باقی رہیں گی یا نہیں اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر خوش نیت کون ہوگا مگر حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہوگی، جب میرے بعد ممالک و بلاد مفتوح ہوں گے اور تمہارے پاس کثرت سے مال و متاع اور غلام و خادم ہوں گے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہم اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہو جائیں گے۔ نتفرغ للعبادة ونكفى المونة حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! تمہاری یہی حالت اچھی ہے جو آج کل ہے۔

غربت کا فائدہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے لئے زیادت مال کو پسند نہیں کیا حالانکہ ان حضرات نے واقعی زیادہ سامان ہونے پر عبادت میں پہلے سے زیادہ ترقی کی اور دنیا میں منہمک نہیں ہوئے پھر ہمارے لئے کثرت مال کیونکر مفید ہوسکتا

ہے۔ بس مسلمانوں کو دوسری قوموں کی حالت دیکھ کر رال نہ ٹپکانا چاہئے۔ اولئك عجلت لهم طيباتهم فى حيٰوٰتهم الدنيا(۱)

ان کو سب راحت یہیں دے دی گئی۔ اور مسلمانوں کے واسطے راحت جنت میں ہے بس مسلمان کو اتنی دنیا حاصل کرنا چاہئے کہ پیٹ بھر کے روٹی مل جائے اور ستر عورت (۲) کے لئے کپڑا اور رہنے کو مختصر مکان اور اتنا بحمد اللہ اکثر مسلمانوں کو آج کل حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو صحابہ کو اتنا بھی سامان میسر نہ تھا۔ ہم لوگ تو اس زمانہ کے اعتبار سے آج کل بادشاہ ہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

اصبح معافى فى جسده امناً فى سربه عنده قوت يومه فكانما حيزت له الدنيا بحذا فيرها۔

کہ جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ بدن میں صحت اور نفس میں بے فکری ایک دن کا کھانا پاس ہو اس کو تمام دنیا مل گئی۔

جب صحت واطمینان کے ساتھ ایک دن کا کھانا گھر میں موجود ہو تو، تو یوں سمجھو کہ تمام دنیا گھر میں آ گئی۔ اگلے دن کی فکر نہ کرو۔

مترس از بلائے کہ شب درمیانست

جس مصیبت کے درمیان میں رات حائل ہو اس سے اندیشہ نہ کرو۔ جب کل ہوگی دیکھا جائے گا۔ کیا خبر کل کو تم بھی ہوگے یا نہیں ایک بزرگ اسی کو فرماتے ہیں۔

چوں ترا نانے وخرقا نے بود ہر بن موئے تو سلطانے بود(۳)

(۱) سنن النسائی الکبریٰ، کتاب عشرۃ النساء، ہجرۃ المرأۃ زوجہا حدیث المتظاہرترین: رقم الحدیث: ۹۱۵۷ (۲) ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا مل جائے مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے عورت کا پورا جسم سوائے چہرے اور ہاتھوں پیروں کے (۳) ''جب تک تیرے پاس کھانے کی اشیاء ہیں تیرا بال بال بادشاہ ہے''۔

غرض حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ بعض لوگوں کو غریب رکھتے ہیں اس کو کیا خبر کہ امیر ہونے کے بعد وہ کیسا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو ثواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نیت صالحہ عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کے لئے یہ نیت ہی درجات عالیہ حاصل کرنے کے لئے کافی ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو یوں خرچ کرتا حق تعالیٰ کے یہاں عجیب دربار ہے۔ وہاں کچھ انفاق ہی پر مدار نہیں۔ غریب کے حق میں نیت انفاق بھی بمنزلہ انفاق کے ہے خود نص میں ارشاد ہے: ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾(۱)

پس جس کے پاس مال نہ ہو وہ حال اور قال سے ثواب حاصل کرے۔

لا خیل عندك تهديها ولا مال　　فليسعد النطق ان لم يسعد الحال (۲)

اور جس کو اللہ خدا نے مال دیا ہو وہ اپنی وسعت کے موافق خرچ کرکے خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔

علماء کی کوتاہی

اس میں واعظین وعلماء بھی داخل ہیں ان کو بھی خرچ کرنا چاہئے۔ اگر زیادہ نہیں کرسکتے تو کچھ تو کریں علماء کا اکثر طبقہ اس میں بہت کوتاہی کرتا ہے سارا امر بالمعروف اپنی ہی بچت کے واسطے ان کو سوجھتا ہے خود خرچ کرنا بہت کم جانتے ہیں آپ کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی روٹی بچوائیں اور اپنے پاس سے خرچ کریں اور جب کسی کام کے لئے چندہ کی تحریک کریں تو سب سے پہلے خود بھی چندہ دیا کریں یہ صورت اچھی نہیں کہ دوسروں ہی کو ترغیب دی جائے اور اپنے گھر سے کچھ نہ نکالا جائے۔ اس صورت میں اثر بھی نہیں ہوتا اور لوگ متوحش ہوتے ہیں اگر تم بھی خرچ

(۱) ''نرم جواب دینا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے دینے کے پیچھے ستانا ہو اور اللہ تعالیٰ مستغنی اور حلم والا ہے'' سورۃ البقرۃ: ۲/۲۶۳ (۲) ''نہ تیرے پاس ہدیہ دینے کے لئے گھوڑا ہے اور نہ مال پس تو زبان سے بہتر کلام کر (دُعا دے) اگرچہ تیرا حال بہتر نہیں ہے''۔

کیا کروتو لوگوں کو وحشت نہ ہوگی۔ اب تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چندہ کے سارے وعظ کا حاصل یہ ہے کہ مولوی اپنی بچت کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اگر علماء یہ کہیں کہ ہمارے پاس کہاں ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے مدرسہ میں جو مزدور دو آنہ مہینہ دیتا ہے تم اس سے کم نہیں ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم دو آنے بھی نہ دو۔

مامون رشید کے پاس ایک شخص سوال کرنے آیا۔ مامون نے کہا کہ ہٹے کٹے مضبوط آدمی کو سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں مامون رشید کے پاس فتویٰ لینے نہیں آیا۔ فتویٰ دینے والے بہت ہیں میں آپ کو بادشاہ سمجھ کر آیا ہوں اگر دینا ہو تو دے دو ورنہ صاف جواب دے دو۔ مامون رشید نے اس کو بہت سا روپیہ دیا۔ اس کے اخلاق بہت اچھے تھے رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا تھا جیسا ماموں بھانجہ کے ساتھ کرتا ہے مگر عقائد اچھے نہ تھے۔

میرا مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ جب امر بالمعروف سے اپنی بچت مقصود ہو تو اس کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ پس علماء کو خود بھی خرچ کرنا چاہئے تا کہ عوام کا یہ خیال دور ہو جائے کہ مولوی اپنی بچت کے لئے ہم سے چندے وصول کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ چندہ میں استغناء کے ساتھ تحریک کرنا چاہیے۔ لگنا لپٹنا نہیں چاہئے صاف کہہ دو ولا اسئلکم علیه اجراً جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (۱)

(پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے چندہ مانگنے کی کیا ضرورت

---

(۱) ''کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے جو کفار اعراض کرتے ہیں، کیا اس کی یہ وجہ ہے کہ آپ ان سے چندہ مانگتے ہیں تو (یہ وجہ تو ہرگز نہیں) کیونکہ خدا کی عطا سب سے بہتر ہے اور وہ سب سے بڑھ کر روزی دینے والا ہے'' سورۃ المؤمنون: ۲۳/۷۲۔

ہے) اس سے معلوم ہوا کہ چندہ مانگنا مخاطبین کی وحشت کا سبب ہوتا ہے پس تم لگ لپٹ کر ہرگز تحریک نہ کرو۔ وہاں استغناء کے ساتھ ترغیب دو۔ جیسا قرآن وحدیث میں ترغیب دی گئی ہے۔ پس صاحبو! شریعت کے حکم انفاق سے آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ آپ سے کوئی مانگتا نہیں ہے ہاں خرچ کرنے کا طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ اگر نیک کام میں اپنے نفع کے لئے خرچ کرنا چاہو تو اس کی یہ صورت ہے آگے تمہیں اختیار ہے اور یہ بھی محض تمہاری مصلحت کے واسطے طریقہ بتلایا گیا ہے۔

حفاظت دین کا انتظام

ورنہ خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے واسطے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْۤا اَمْثَالَکُمْ ﴾(۱) بلکہ جان ومال سے خدا کے دین پر قربان ہوگی۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہ دین محفوظ چلا آرہا ہے کیا آپ کے ہی تان گاڑی چل رہی ہے(۲) ہرگز نہیں بلکہ یہی قاعدہ چلا آرہا ہے کہ جس قوم نے دین کی خدمت سے پہلو تہی کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ دوسری قوم پیدا کردی، صاحبو! مجھے اس کی شکایت نہیں کہ مسلمان چندہ نہیں دیتے یا کم دیتے ہیں بلکہ اصل شکایت یہ ہے کہ دین پر توجہ نہیں۔ آپ چاہے کچھ بھی خرچ نہ کریں لیکن اپنی حالت کی اصلاح کرکے دین پر توجہ کریں اور توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ قلوب کو یکجا کریں سب مل کر دین کی حفاظت کا اہتمام کریں اجتماع میں برکت اور طاقت ہے۔

دو دل یک شوند بشکند کوہ را (دو دل ایک ہوجائیں تو وہ پہاڑ کو توڑ دیتے ہیں)

جب توجہ کروگے تو احکام دین پر عمل بھی کروگے۔ پھر عمل کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہوگی ان کا بھی سامان ہوجائے گا۔

(۱) "اگر تم (دین کے واسطے خرچ کرنے سے) روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو پیدا کردیں گے جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی" سورۂ محمد: ۴۷/۳۸ (۲) کیا آپ کے طفیل یہ گاڑی چل رہی ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا طریقہ

ہم کو دوسری قوموں کی تقلید کی ضرورت نہیں کہ جس طرح وہ ترقی کر رہی ہیں اسی طرح ہم بھی ترقی کریں اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ مسلمان بھوکے ہیں ان کے گھر میں ترقی کے ذرائع موجود نہیں دوسروں سے مانگتے پھرتے ہیں۔ صاحبو! ہم کو واللہ اپنے گھر کی دولت کی خبر نہیں اس لئے ہماری یہ حالت ہے

یک سبد پرناں ترا برفرق سر   تو ہمی جوئی لب ناں در بدر
تابہ زانوی میاں قعر آب   وزعطش وزجوع گشتی خراب (۱)

ہمارے گھر میں ترقی کے وہ ذرائع موجود ہیں جن کے سامنے تمام عالم گردن جھکا چکا ہے۔ پھر ہم دوسروں سے بھیک کیوں مانگیں اور وہ ذریعہ یہی ہے کہ اجتماعی حالت کے ساتھ سب اپنے دین پر توجہ کریں۔ اور دین کی پابندی کریں اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب مولوی بن جاؤ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دین سے باخبر بن جاؤ۔ کچھ تو پڑھ لکھ کر باخبر بنیں اور باقی لوگ علماء کی صحبت اختیار کریں اور ان سے مل کر دین کے احکام معلوم کریں مگر صحبت ان علماء کی اختیار کرو جن کے یہاں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ زیادہ رہتا ہو نہ کہ دنیا کا اور اس کے منتظر نہ رہو کہ علماء خود تمہارے گھر آ کر وعظ کہا کریں بلکہ تم خود ان سے جا کر ملو اور دین کی باتیں دریافت کرو۔ اس طرح کر کے دیکھو۔ ان شاء اللہ تم کو ترقی حاصل ہو جائے گی اور غیر قوموں کے طریقہ پر چلنے کی تم کو کچھ ضرورت نہیں بلکہ اسی سادگی کے طریقہ پر چلو جو اسلام نے ہم کو سکھلایا ہے۔

(۱) ''تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے مگر تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے دربدر پھر رہا ہے تو زانوں تک نہر میں کھڑا ہے مگر پیاس اور بھوک سے خراب ہو رہا ہے''۔

سادگی اور عزت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام سے لشکر اسلام نے ایک عرضداشت (۱) بھیجی تھی کہ بیت المقدس فتح نہیں ہوتا اور وہاں کا پادری یہ کہتا ہے کہ فاتح بیت المقدس کا حلیہ ہماری کتاب میں موجود ہے۔ تم اپنے خلیفہ کو بلالو ہم دیکھ لیں گے اگر ان کا وہی حلیہ ہوا جیسے اس کتاب میں ہے تو ہم بدوں لڑائی (۲) کے قلعہ کھول دیں گے ورنہ تم قیامت تک فتح نہیں کرسکتے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین یہاں تشریف لے آئیں۔ شاید یہ قلعہ بدوں لڑائی کے فتح ہوجائے۔ امیر المؤمنین نے اس درخواست پر سفر کا ارادہ فرمایا اب غور فرمایئے کہ یہ ایک ایسے شخص کا دورہ تھا جس کے نام سے کسریٰ وہرقل (۳) بھی تھراتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جس قمیص میں آپ نے سفر کیا ہے اس میں چند در چند پیوند تھے (۴) اور سواری کے لئے صرف ایک اونٹ تھا اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ جس پر کبھی آپ سوار ہوتے کبھی آپ کا غلام! آج کل ادنیٰ سے ادنیٰ ڈپٹی کے دورہ میں بڑا سامان ہوتا ہے یہاں خلیفہ اعظم کے دورہ میں کچھ بھی سامان نہ تھا پھر آج کل ادنیٰ حاکم کے دورہ میں رعایا پریشان ہوجاتی ہے کیونکہ رعایا کو ان کے دورہ کے لئے رصد (۵) کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ یہاں خلیفہ کے دورہ سے ایک متنفس کو بھی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ ہر شخص کے ساتھ ایک تھیلے میں ستو اور ایک تھیلے میں چھوارے بندھے ہوئے تھے۔ منزل پر اتر کر ستو گھول کر پی لئے اور چھوارے کھالیئے نہ رعایا سے لیئے نہ مرغے لیے نہ انڈے نہ دودھ لیا نہ گھی۔

جب آپ اس شان سے کبھی سوار اور کبھی پیدل چلتے ہوئے شام کے قریب پہنچے تو لشکر اسلام نے استقبال کرنا چاہا۔ آپ نے ممانعت کردی خاص خاص حضرات

(۱) درخواست (۲) بغیر جنگ وجدال (۳) دو بادشاہوں کے نام ہیں (۴) پیوند لگے ہوئے تھے (۵) دیکھ بھال، خاطر تواضع۔

نے آپ کا استقبال کیا اس وقت بعض صحابہ نے کہا کہ امیر المؤمنین اس وقت آپ دشمن کے ملک میں ہیں اور وہ لوگ آپ کو دیکھیں گے اس لئے مناسب ہے کہ اپنا یہ قمیص اتار کر دوسرا قمیص عمدہ سا پہن لیجئے اور اونٹ کی سواری چھوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو جائیے تا کہ ان کی نظر میں عزت ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اسلام سے عزت دی ہے۔

ہماری عزت قیمتی لباس سے نہیں ہے بلکہ خدا کی اطاعت سے عزت ہے مگر صحابہ کے اصرار سے ان کا دل خوش کرنے کے لئے درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ ایک عمدہ قمیص لایا گیا جس کو پہن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے دو چار ہی قدم چلے تھے کہ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا کہ میرے دوستو! تم نے تو اپنے بھائی عمر کو ہلاک ہی کرنا چاہا تھا۔ واللہ! میں دیکھتا ہوں کہ اس لباس اور اس سواری سے میرا دل بگڑنے لگا ہے۔ تم میرا وہی پیوند لگا قمیص اور اونٹ لے آؤ۔ میں اسی لباس میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چلوں گا۔

اے صاحبو! جب ایسے شخص کا دل قیمتی لباس سے بگڑتا ہے تو کیا ہمارا دل اور ہمارا منہ نہ بگڑے گا۔ پھر ہم اپنے قلب کی نگہداشت سے اتنے غافل کیوں ہیں اور ہم کو کس چیز نے مطمئن کر دیا ہے کہ ہمارے لئے کوئی لباس مضر نہیں۔ اور یہ جو حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام واقعی بات یہی ہے کہ اگر ہم خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں تو ہم سادہ لباس میں بھی معزز ہیں ورنہ قیمتی لباس سے بھی کچھ عزت نہیں ہو سکتی۔

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست
باب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا(۱)

(۱) ’’جمال محبوب ہمارے عشق ناتمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ وروپ اور خط وخال کی حاجت نہیں ہے‘‘۔

خوبصورت چہرہ کو زیب وزینت کی حاجت نہیں وہ تو ہر لباس میں حسین ہے۔ بناوٹ کی احتیاج اس کو ہے جس کو قدرتی حسن نصیب نہ ہو چنانچہ حضرت عمرؓ اپنا وہی لباس پہن کر چلے اور اونٹ ہی پر سوار ہوئے اور اسی لباس اور اسی سواری پر آپ کو دیکھ کر نصاریٰ نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا کیونکہ جب آپ فصیل شہر کے قریب پہنچے اور نصاریٰ کو اطلاع ہوئی کہ خلیفہ اسلام تشریف لے آئے تو ان کا بڑا پادری فصیل پر آیا اور کتاب کھول کر حضرت عمرؓ کے حلیہ کو ان اوصاف سے ملانے لگا جو کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ ایسے لباس اور ایسی سواری پر تشریف لائیں گے، اس معمولی لباس ہی میں آپ کی عزت مخفی تھی۔

کہ آب چشمہ حیواں درون تاریکی ست (۱)

اگر آپ قیمتی لباس میں آتے تو پیشین گوئی پوری نہ ہوتی۔ چنانچہ پادری نے جب سارے اوصاف کتاب کے موافق دیکھ لئے تو وہ چیخ مار کر گر پڑا اور کہا جلدی سے قلعہ کھول دو۔ (بخدا یہی وہ شخص ہے جس کا لقب توراۃ میں حدید ہے) یہی فاتح بیت المقدس ہے تم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس طرح اللہ تعالیٰ نے بدوں جنگ وجدال کے بیت المقدس کو فتح کردیا۔ تو صاحبو! ہمیں تکلیف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں ہماری عزت تو سادگی ہی میں ہے۔

سادگی کی چند مثالیں

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی اسی زمانہ میں ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ سے لفٹنٹ گورنر نے ملنے کی اجازت چاہی۔ یہاں سے اجازت ہوگئی اس وقت تو آپ یہ تذکرہ کررہے تھے کہ لفٹنٹ گورنر کے واسطے

(۱) ”چشمہ آب حیات کے اندرونی حصہ میں اندھیرا ہے“۔

سونے کی کرسی ہم کہاں سے لائیں گے۔ خدام نے عرض کیا کہ اس کی حاجت نہیں وہ چوبی کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں۔ چونکہ لفٹنٹ گورنر اس وقت مہمان ہوکر آرہے تھے اور مہمان کی مدارات اس کے مذاق کے موافق ہوتی ہے اس لئے یہ خیال ہوا مگر یہ سارے منصوبے پہلے ہی پہلے تھے وقت پر کچھ بھی اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ آپ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ لفٹنٹ گورنر کس دن آئیں گے۔ چنانچہ جب دن آیا اور لفٹنٹ گورنر حضرت کی خانقاہ میں پہنچے تو وہاں کوئی تکلف نہ تھا۔ سب معمولی سامان تھا۔ بعد ملاقات لفٹنٹ گورنر نے کہا کہ حضرت ہمیں کچھ نصیحت ووصیت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا ظلم کبھی نہ کرنا پھر اس نے درخواست کی کہ ہم کو کچھ تبرک عطا فرمایا جائے۔ فرمایا میرے پاس کیا رکھا ہے پھر خادم سے فرمایا کہ ارے دیکھنا مٹھائی کی ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دے دو۔ یہ مانگ رہے ہیں چنانچہ ہنڈیا میں سے مٹھائی کا چورا تھوڑا تھوڑا سب کو دیا گیا جس کو سب نے نہایت ادب سے لیا اور بڑے خوش خوش واپس ہوئے۔

تو دیکھئے کہ مولانا کو اول تو اس زمانہ کے لحاظ سے کچھ تکلف کا خیال ہوا بھی تھا مگر آخر میں یہ سب منصوبے مٹ گئے اور وہی اسلامی سادگی رہ گئی اور اسی میں ان کی عظمت وعزت ظاہر ہوئی۔

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی　　　بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا کی

غرض ہم کو اسلامی سادگی پر رہنا چاہیے اگر کسی مہمان کی خاطر سے کچھ تکلف بھی کیا جائے تو اس میں بھی اعتدالِ اسلامی کا لحاظ ضروری ہے مبالغہ نہ کیا جائے اسی میں ہماری عزت ہے مگر آج کل مسلمان تقلید یورپ میں اپنی عزت سمجھتے ہیں ان کا لباس، ان کا طرز معاشرت، ان کا طریقہ تمدن وتجارت اختیار کرکے ترقی کرنا چاہتے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی اس میں عزت نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی

ایک بار میں بریلی میں تھا بھائی سے جنٹ (۱) نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی سے ملنا چاہتے ہیں بھائی نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا ہم خود تو حکام سے نہیں ملتے لیکن جب وہ خود ملنا چاہتے ہیں تو اعراض کرنا مناسب بھی نہیں ہے، آخر وہ حاکم ہیں۔ ہم کو حق حکومت کا لحاظ ضروری ہے، میں چلوں گا۔ بھائی نے میرے واسطے قیمتی لباس کا اہتمام کرنا چاہا۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ جس لباس میں میں یہاں آیا ہوں اسی میں جاؤں گا چنانچہ میں اچکن (۲) اور کرتہ میں ان سے ملنے گیا وہ شاید غسل کر رہے تھے۔ ہم کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ عصر کی نماز کا وقت آ گیا اور میں نے اور بھائی نے ان کے بنگلہ ہی پر نماز پڑھی پھر وہ آ کر ملے اور مجھ کو اپنی خاص کرسی پر بٹھلایا اور خود ایک معمولی کرسی پر بیٹھ گئے میں نے اصرار بھی کیا مگر نہیں مانے پھر نہایت احترام کے ساتھ باتیں کیں اور تھوڑی دیر میں رخصت ہو کر آ گئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں انگریزی لباس میں اس سے ملتا تو وہ عزت ہرگز نہ ہوتی جو اسلامی لباس میں ہوئی۔

سادہ لباس کی خوبی

کلکتہ میں مولوی عبدالجبار صاحب وائسرائے سے عبا اور چوغہ پہن کر اور عمامہ باندھ کر ملے۔ دوسرے رؤسا انگریزی لباس میں گئے تھے۔ تو وائسرائے نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ اس لباس میں شہزادہ معلوم ہوتے ہیں یہ لباس بڑی راحت کا ہے اور ہمارا لباس بہت تکلیف دہ ہے مگر ہم اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں ہم کو آپ کے لباس پر بہت رشک آتا ہے۔

غرض ہم کو شریعت نے جو تعلیم دی ہے اس پر چلنا چاہئے ہم کو دوسروں کی

(۱) جنٹلمین (۲) کرتے کے اوپر پہننے والا ویسکوٹ نما لباس۔

تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں اپنی ہی ذلت ہے گویا زبان حال سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے گھر میں ترقی کے اسباب وذرائع موجود نہیں ہیں۔

طلب اور اتباع

تعلیمِ شریعت کا اتباع یوں ہی ہوسکتا ہے کہ علماء کا اتباع کیا جائے مگر ایسے علماء کا جو خود آپ کے متبع نہ ہوں۔ یعنی وہ آپ کے مذاق کا اتباع نہ کریں بلکہ آپ سے اپنے مذاق کا اتباع کرائیں۔ کیونکہ جو طبیب مریض کے مذاق کا اتباع کرے گا، وہ اسے ہلاک کرے گا۔ طبیب وہ ہے جو مریض سے اپنے مذاق کا اتباع کرائے۔ آج کل بعض علماء تو طالب جاہ ومال ہیں۔ ان کو تو علماء کہنا ہی غلط ہے کیونکہ علم کتاب پڑھنے کا نام نہیں بلکہ علم دوسری چیز ہے۔

شاہد آن نیست کہ موئے ومیانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد(۱)

ایسے ہی مولویوں نے عوام کو چندہ کے نام سے متوحش کیا ہے(۲) جنہوں نے صرف کتابی علم حاصل کیا ہے اور حقیقی علم یعنی دین کی روح حاصل نہیں کی۔ اور بعض علماء محقق ہیں، صاحب علم ہیں اور طالب آخرت، وہ دنیا کے طالب نہیں مگر محقق ہیں۔ خوش اخلاق بہت ہیں وہ اکثر دوسروں کے مذاق کا اتباع کراتے ہیں جس میں نیت صرف دوسروں کی دینی مصلحت ہوتی ہے مگر ان کے مذاق کا اتباع نہیں کراتے۔ ان سے مخلوق کو نفع عام تو ہوتا ہے مگر تام نہیں ہوتا۔ اور بعضے متعارف معنی کر خوش اخلاق نہیں بلکہ کم فہموں میں بد اخلاق مشہور ہیں کیونکہ وہ مریض کی رائے اور مذاق کا اتباع نہیں کرتے بلکہ مریضوں کو اپنی رائے اور اپنے مذاق پر چلاتے ہیں ان سے نفع عام تو نہیں ہوتا کیونکہ لوگ ان سے گھبراتے ہیں مگر نفع تام ضرور ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی کے قابو میں نہیں آسکتا۔ یہ لوگ محقق ہیں اور محقق سے طالب کے مذاق کا اتباع نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ تو طبیب کی خیانت ہے کہ مریض

(۱) ''معشوق وہ نہیں جو اچھے بال اور پتلی کمر رکھتا ہو حسین وہ ہے کہ اسمیں کچھ آن ہو'' (۲) پریشان کیا ہے۔

میں ایک مرض دیکھ رہا ہے اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اس کو مرض پر مطلع نہیں کرتا کہ یہ ناراض ہوجائے گا اگر وہ سسرا ناراض ہونے آیا ہے تو پھر علاج اور طلب صحت کا نام کیوں لیتا ہے۔ وہ مہمان بن کر آئے پھر ہم اس کے لئے سونے کی کرسی تک کی فکر کریں گے۔ جیسے شاہ فضل الرحمٰن صاحب نے کی تھی۔ گو وقت پر یاد نہ آئے غرض ہم مہمان کے مذاق کا اتباع کرنے کو تیار ہیں۔ کوئی صرف مہمان بن کر دیکھے۔ ان شاء اللہ ہم بھی خوش اخلاق بن کر دکھلا دیں گے باقی مریض اور طالبِ علاج کے مذاق کا اتباع ہم سے نہیں ہوسکتا۔ یہ گفتگو درمیان میں آ گئی تھی۔

بے جا گھبراہٹ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ لوگوں کو استغناء کے ساتھ ترغیب دینا چاہئے۔ لگ لپٹ کر چندہ نہ مانگنا چاہئے جس سے دوسروں کو علماء پر احتیاج کا شبہ ہو کیونکہ یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے یہاں تو یہ حالت ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ　　ہر کہ خواہد گو برو

دارو گیرد حاجب ودرباں دریں درگاہ نیست(۱)

بلکہ یہ طریقہ شرافت کے بھی خلاف ہے شریف آدمی کو احتیاج بھی ہو جب بھی وہ لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسے ہی فقراء کی شان قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾(۲)

ہم نے عرب میں سائلوں کی یہ حالت دیکھی ہے کہ جہاں ان سے کسی

(۱) ''جب دل چاہے آؤ جب دل چاہے چلے جاؤ اس دربار میں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں'' (۲) اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے ناواقف انکو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ سورۃ البقرۃ:۲/۲۷۳۔

نے اللہ اکبر کہہ دیا تو فوراً اللہ کریم کہتے ہوئے چل دیئے اس لفظ کے سننے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں مانگتے۔ اب اگر کسی کو دینا ہو تو خود دوڑ کر انہیں دے دے وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور جو لوگ سر ہو جاتے ہیں وہ اکثر ہندوستان کی نسل ہیں عرب نہیں ہیں۔ مگر وہاں رہ کر صورت عربوں کی سی بنالی ہے۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کو عربی بولنا بھی نہیں آتی۔

چنانچہ ایک عرب مجھ سے ملے میں نے ان سے پوچھا کہ عرب میں آپ کتنے دنوں سے ہیں تو بولے۔

ثلث پیڑھی فی المدینۃ کہ مدینہ میں تین پیڑھیاں گزر چکی ہیں۔

میں نے دل میں کہا کہ تیرے پیروں میں تو بیڑیاں ڈالنا چاہئیں (۱)۔ اگر تیری ایک پشت بھی عرب میں گزرتی تو پیڑھی کا لفظ تیری زبان سے قیامت تک نہ نکلتا۔ ایسے لوگ عرب ہرگز نہیں بلکہ ہندوستان و بنگال کی نسل ہیں ورنہ جو خالص عرب ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اول تو وہ مدینہ سے نکلنا ہی نہیں جانتے ان کو مکہ مدینے سے ایسی محبت ہے کہ اس کے باہر ان کو چین ہی نہیں مل سکتا چنانچہ ایک بدو کے لڑکے کو بعض حاجیوں نے ہندوستان ساتھ لانا چاہا اور اس کے سامنے ہندوستان کی سرسبزی اور ارزانی کا خوب تذکرہ کیا۔ وہ سب اوصاف سن کر کہنے لگا کہ ہندوستان میں کعبہ بھی ہے؟ کہا نہیں کعبہ تو وہاں نہیں تو وہ صاف کہتا ہے کہ پھر ہندوستان میں کچھ بھی نہیں، جب وہاں کعبہ نہیں، ہائے خوب کہا:

ومن دینی حب الدیار لاھلھا وللناس فیما یعشقون مذاھب (۲)

مولانا نے مثنوی میں ایک عاشق و معشوق کی گفتگو نقل فرمائی ہے۔ اسی بدو کے لڑکے کا جواب بالکل اسی جواب کے موافق ہے جو مولانا نے عاشق کی طرف

(۱) تیرے پیروں میں تو لوہے کی زنجیر ڈالنی چاہیئے (۲) ”اور میرے دین میں اہل وطن سے محبت ہے اور لوگ مختلف طریقوں سے محبت رکھتے ہیں“۔

سے بیان فرمایا ہے۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتا　　تو بہ غربت دیدہ بس شہرہا
پس کدامی شہر زانہا خوشترست　　گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں　　فوق گردون است نے قعر زمیں
ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ　　جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ(۱)

واقعی اہل عرب کی نظر میں جہاں کعبہ نہیں وہاں کچھ بھی نہیں تو یہ لوگ اول تو باہر کم جاتے ہیں اور کبھی جاتے ہیں تو بہت جلد واپس ہو جاتے ہیں اور جو لوگ برسوں ہندوستان کا دورہ لگاتے رہتے ہیں ان میں خالص عرب کم ہیں زیادہ تر یہیں کے لوگ ہیں جو عبا قبا پہن کر عرب بن گئے ہیں اسی لئے ان میں عربوں کی سی غیرت نہیں کہ سوال میں الحاح ولجاج (۲) کرتے ہیں۔

ہمارے ساتھ حج میں ایک عالم پٹنے والے تھے۔ انہوں نے وہاں پٹنے ہی کا کام کیا تھا وہ یہ کہ جعفر آفندی پاشا کے مترجم اصل میں ہندی تھے اہل ہند سے محبت کرتے تھے ایک دفعہ حرم میں ان مولوی صاحب کا سامنا ہو گیا مصافحہ کیا مولوی صاحب سمجھے کہ کوئی سائل ہے۔ بہت خشک لہجہ میں پوچھا کچھ کہنا ہے۔ جعفری آفندی میں ظرافت بہت تھی کہنے لگے حضور بھوکا ہوں کچھ دے دیجئے وہ مولوی صاحب بڑے غصہ سے بولے تم کو شرم نہیں آتی ایسا عبا چغہ پہن کر سوال کرتے ہو اس کو بیچ کر نہیں خرچ کیا جاتا۔ جعفر نے کہا، حضور اگر معمولی لباس میں ہم سوال کریں گے تو آپ پیسہ دو پیسہ دے کر ٹال دیں گے اور اس لباس میں دیکھ کر کم از کم دو تین روپے تو دیں گے مولوی صاحب اس جواب سے اور بھی جھلائے اور بڑبڑ

(۱) ''کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تم نے سیاحت میں کون سا شہر پسند کیا ہے اس نے جواب دیا عمدہ شہر وہ ہے جہاں محبوب کی رہائش ہو جہاں محبوب ہو وہ جگہ ہمیں پسند ہے اگرچہ زمین کی گہرائی ہی کیوں نہ ہو۔ ہر وہ جگہ جہاں محبوب کا چہرہ ہو چاند کی مانند ہے۔ وہ جنت ہے اگرچہ کنویں کی گہرائی میں ہی کیوں نہ ہو'' (۲)۔

کرتے چل دیئے دوسرے وقت وہ مولوی صاحب حرم میں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جعفر آفندی سامنے سے آئے۔ میں ان کی تعظیم کو اٹھا وہ پٹنہ والے مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ تو کوئی سائل نہیں معلوم ہوتا کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جعفر آفندی نے بیٹھ کر باتیں کیں اور یہ بھی کہا کہ آپ تو میری تعظیم کرتے ہیں اور یہ مولوی صاحب ہم سے بے رخی کرتے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے نادم ہوئے اور سر نہ اٹھا سکے کہا صاحب معاف فرمادیئے گا میں معذور ہوں۔ میں نے کتاب میں دیکھا تھا کہ مکہ میں قیمتی عبا قبا والے سوال کرتے ہیں اور اس کا مشاہدہ بھی میں نے کیا ہے اس لئے مجھے آپ پر بھی یہی شبہ ہوا۔ جعفر آفندی نے کہا کہ آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ حالت عمامے والوں کی ہے یا ترکی ٹوپی والوں کی؟ کہنے لگے کہ ہاں صاحب جتنے سائل میں نے دیکھے وہ سب عمامے ہی والے تھے۔ جعفر آفندی نے کہا پھر آپ نے مجھے ان پر کیوں قیاس کیا۔ میں تو ترکی ٹوپی پہن رہا تھا۔

چندہ کی تحریک

صاحبو! جیسے وہ پٹنہ والے مولوی صاحب عمامے اور عبا والوں کی صورت سے گھبراتے تھے ایسے ہی آج کل مسلمان مولویوں کی صورت سے گھبرانے لگے ہیں کہ بس اب چندہ کا سوال ہوگا حالانکہ علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ وارثان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو وحشت ہونا سخت مضر ہے اس کی اصلاح ضروری ہے جس کا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ علماء چندہ کی تحریک نہ کیا کریں اور بحمداللہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہیں وہ اس سے خود ہی بچتے ہیں۔ بس صحیح طریقہ یہ ہے کہ استغناء کے ساتھ لوگوں کو ترغیب عام دی جائے، چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے پھر ان شاء اللہ وحشت نہ ہوگی۔

ایک بات اور قابل اہتمام ہے وہ یہ کہ جو لوگ چندہ کا وعدہ کرلیں پھر کسی وجہ سے وہ چندہ نہ بھیجیں تو ان کے پاس تقاضے کے خطوط نہ بھیجے جائیں۔ نہ کچھ عرصہ کے بعد ان کے نام فہرست خارج کردگان (۱) میں شائع کئے جائیں اس سے بھی لوگوں کو وحشت ہوتی ہے۔

یہ تو تمہید تھی مگر تمہید بہت طویل ہوگئی اب میں آیت کا بیان شروع کرتا ہوں۔

آیت متلوہ کا شان نزول

اس آیت کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تھے اور بجز معذورین کے سب کو ساتھ چلنے کا حکم دیا گیا تھا مگر کچھ لوگ غزوہ میں نہیں گئے مدینہ ہی میں رہ گئے جن میں زیادہ تر تو منافقین تھے اور دو چار مخلصین بھی تھے آپ کی واپسی پر منافقین نے تو آکر جھوٹے بہانے کردیئے کہ ہم کو فلاں عذر مانع تھا۔ یہ سب پیش آگیا تھا مگر مخلصین نے اپنی خطا کا صاف صاف اقرار کرلیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کوئی عذر مانع نہ تھا۔ محض کاہلی اور سستی سے پیچھے رہ گئے۔ حضور نے منافقین کا عذر سن کر ان کو تو معذورین میں داخل کرکے رخصت فرمادیا۔ اور ان مخلصین سے فرمایا کہ تمہارا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ خواہ معاف فرمادیں یا سزا تجویز کردیں چنانچہ پچاس روز تک سب مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا کہ کوئی ان سے بات چیت اور سلام وکلام نہ کرے۔ پچاس دن کے بعد ان کی توبہ نازل ہوئی تو یہ حضرات خوش خوش حضور کے پاس آئے اور شکریہ قبولِ توبہ میں اپنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے کہ اس کو کار خیر میں صرف فرمادیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا مال قبول کرنے میں سوچ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً نہیں لیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا خبر کہ ان کی حالت کیسی ہے اس وقت محض جوش

(۱)

میں دے رہے ہیں کہ بعد کو پچھتائیں گے یا اخلاص قلب سے دے رہے ہیں تو حق تعالیٰ ان مخلصین کی سفارش فرماتے ہیں کہ ان کے اموال سے صدقہ وصول فرمائیے۔ یہ لوگ مخلص ہیں۔

جیسا کہ بعض دفعہ ہمارے سامنے کوئی شخص بہت زیادہ رقم لاتا ہے اور اس کے لینے سے رکاوٹ ہوتی ہے کہ شاید یہ اپنی وسعت سے زائد دے رہا ہو تو احباب سفارش کرتے ہیں کہ یہ تو بڑی آمدنی والے ہیں مگر سادہ لباس پہنتے ہیں اس لئے یہ رقم ان کی حیثیت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ کانپور میں ایک شخص میرے پاس ساٹھ روپے لائے اور مجھے ان کے لینے سے تامل ہوا۔ پھر بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ان کی آمدنی تو کئی سو روپے ماہوار کی ہے جب میں نے قبول کیا۔ اور ان سے کہا کہ ذرا اپنی صورت ایسی بناؤ جس سے معلوم ہو کہ خدا نے تم کو کتنا دیا ہے۔ حدیث میں یہی حکم ہے۔ لیر اثر النعمة عليك تا کہ نعمت کا اثر تم پر معلوم ہو تو ایسے ہی یہاں اللہ تعالیٰ سفارش فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مخلص ہیں ان کا صدقہ منظور کرلیا جائے اور اسلامی کاموں میں لگادیا جائے۔ اور من اموالهم میں ظاہر یہ ہے کہ من تبعیضیة ہے۔ گو احتمال یہ بھی ہے کہ بیانیہ ہو تو من تبعیضیة کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ ان کے اموال کا کوئی جزو قبول کرلیا جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کل مال نہ لیا جائے کیونکہ یہ ہر شخص کی حالت کے مناسب نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اور شان ہے وہ تو عاشق تھے۔ ان کی سخاوت تو جان دینا ہے۔ پھر ان کا کل مال لینے سے کیا انکار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مال دادن خود سخائے صادق ست   جان دادن خود سخائے عاشق ست (۱)

(۱) ''اپنا مال دینا سچی سخاوت ہے، اپنی جان دینا عاشق کی سخاوت ہے''۔

لیکن ہر شخص کی یہ شان نہیں اس لئے من تبعیضیة (۱) سے جزو مال لینے کا امر کیا گیا مگر جزو مال عام ہے۔ اگر ثلثین لے لیا جائے جب بھی جزو صادق ہے اور ایک لاکھ میں ایک روپیہ لے لیا جائے تو اس پر بھی جزو مال صادق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا مقتضا یہ تھا کہ آپ جزو اقل پر کفایت فرماتے کیونکہ آپ کو تو سرے سے اسی میں تردد تھا کہ لوں یا نہ لوں۔ اب حق تعالیٰ کی سفارش کے بعد لینے کا خیال تو ہوا مگر جزو قلیل کی طرف ذہن گیا ہوگا کہ تھوڑا سا لے لیا جائے لیکن اس سے دینے والے کا جی بھلا نہ ہوتا۔ تو حق تعالیٰ آئندہ اس کا معیار بیان فرماتے ہیں کہ کس قدر لینا چاہئے اور یہاں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کسی کا ہدیہ محض اس وجہ سے قبول فرماتے ہیں تاکہ دوسرے کا دل خوش ہوجائے کیونکہ واپس کرنے سے اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور یہی شان اہل اللہ کی ہے کہ لوگ سر ہوکر ان کو دیتے ہیں۔ ناک رگڑتے ہیں جب وہ ہدیہ قبول فرماتے ہیں۔

انگریزی تعلیم کا نقصان

اس پر مجھے اپنے ایک بھتیجے کی بات یاد آئی۔ جب وہ چھوٹا سا تھا تو شوخی کرتا پھرتا تھا میں نے اسے بلایا کہ آؤ باتیں کریں۔ چنانچہ وہ آیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ بتلاؤ عربی اچھی ہے یا انگریزی۔ کہنے لگا کہ عربی، میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کہ قرآن عربی میں ہے میں نے کہا ٹھیک! لیکن عربی پڑھ کر کھائے گا کہاں سے؟ کہنے لگا بات یہ ہے کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے وہ اللہ کا ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں ڈالتا ہے کہ اس کو دو۔ وہ دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ سچ ہے مگر اس کو ذلت سمجھتے ہیں کہنے لگا ذلت کی کیا بات ہے یہ خود

(۱) خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ خذ من اموالھم میں جو ''من'' ہے۔

تو کسی سے نہیں مانگتا لوگ خوشامد کر کے خود دیتے ہیں مجھے اس کی عقل پر حیرت ہوئی کہ ذرا سی عمر میں اس نے حقیقت کو خوب سمجھا۔

میں نے یہ واقعہ بھائی سے بیان کیا اور کہا کہ اس بچہ کو تو خواہ مخواہ تم نے انگریزی میں ڈالا۔ اس کو عربی پڑھائی ہوتی وہ بھی بہت ذہین ہیں۔ کہنے لگے کہ جب اس کی طبیعت میں عربی سے مناسبت اور شوق ہے تو اس کو تو یہ خود بھی حاصل کر لے گا۔ مجھے تو وہی تعلیم دینا چاہئے جس سے اس کو مناسبت نہیں اور ہے ضرورت کی چیز تاکہ میرے اثر سے اس کو حاصل کر کے دنیا میں راحت سے رہے۔ پھر دین کا علم تو یہ اپنی مناسبت کی وجہ سے خود حاصل کر لے گا۔ میں نے کہا کہ یہ مناسبت جو اس وقت ہے وہ انگریزی پڑھنے سے زائل ہو جائے گی پھر یہ محض دنیا کا رہ جائے گا اور جو جوہر اس میں اس وقت ہے برباد ہو جائے گا۔

غرض میرا مطلب یہ ہے کہ شریعت تو اس چندہ کو قبول کرتی ہے جس کی یہ حالت ہو کہ واپس کرنے میں دینے والوں کی دل شکنی ہو اور وہ خود اصرار کریں کہ ہمارے مال کا معتد بہ حصہ لے لو اور اگر ہم تھوڑا سا لے لیں تو اس سے ان کا جی خوش نہ ہو بلکہ زیادہ لینے کے لئے خوشامد کریں تو ایسے چندہ میں کوئی حرج نہیں۔

یہ سب بیان مقصود سے پہلے ہی کا ہے۔ ابھی میں نے مقصود عرض نہیں کیا۔ مقصود آگے ہے۔ یہ تو تمہید تھی جس میں میں نے بتلا دیا کہ علماء مسلمانوں سے مال نہیں مانگتے بلکہ محض ترغیب دیتے ہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے چاہے دو یا نہ دو اور جو لوگ ترغیب سے آگے بڑھتے ہیں وہ شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں پس ان کے فعل کی بناء پر مسلمانوں کو حکم شرعی سے متوحش نہ ہونا چاہئے۔ خیر یہ گھاٹی تو پار ہو گئی۔

طہارت ظاہری و باطنی

اب مقصود سنئے۔ اس وقت میرا مقصود اس آیت کے اس جزو کو بیان کرنا ہے۔ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ صدقہ اتنا لیا جائے اور ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے آپ ان کو پاک کریں اور طاہر کریں۔ بِهَا میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ تُزَكِّيهِمْ کے متعلق ہو تُطَهِّرُهُمْ کے متعلق نہ ہو اس صورت میں تُطَهِّرُهُمْ میں خطاب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ صیغہ غائب کا ہے جو صَدَقَةً کی صفت ہے کہ وہ صدقہ ایسا ہو کہ گناہوں سے پاک کرنے والا ہو اور آپ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کا تزکیہ فرمائیں اس صورت میں اولاً صدقہ کی صفت مذکور ہوئی پھر حضور کا فعل مذکور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمانوں کے صدقات قبول کر لیتے ہیں تو نہ اپنی مصلحت کے لئے بلکہ مسلمانوں کے تزکیہ کے لئے اور ظاہر ہے کہ تزکیہ اسی کا ہوسکتا ہے جو خود بھی طالب تزکیہ ہو تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص صدقہ سے طالب تزکیہ نہ ہو اس کا صدقہ قبول نہ کیا جائے۔

ایک احتمال یہ ہے کہ بھا دونوں کے متعلق ہو تطھرھم کے بھی اور تزکیھم کے بھی اور یہی میرے نزدیک ظاہر ہے کہ دونوں صیغے خطاب کے ہیں اور ''بھا'' دونوں کے متعلق ہے اس میں تناسب وتناسق کلام بھی باقی رہے گا بہرحال اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ پاک صاف ہونا ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ مال خرچ کرنے کو پاکی میں دخل ہے۔

اب آج کل عام مذاق یہ ہے کہ لوگ پاک ہونا ہی نہیں چاہتے نہ اس کا قصد کرتے ہیں نہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ وقلیل ماھم (۱)۔ اس

(۱) ایسے بہت کم ہیں۔

پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم کو استنجا کرنا تو آتا ہے ہم تو روز غسل کرتے ہیں پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ہم پاک ہونا نہیں چاہتے۔

تو صاحبو! بس آپ نے اسی پاکی کو سیکھا ہے اور اسی پر کفایت کرلی یہ کہ بدن کو دھو یا مانجھا اور نستعلیق (۱) ہو گئے اس کے سوا اور کوئی پاکی آپ کو معلوم ہی نہیں اس لئے اس کا قصد کیونکر کریں سو اس پاکی کا یہاں ذکر نہیں جس کو آپ پاکی سمجھتے ہیں بلکہ یہاں وہ پاکی مراد ہے جس میں صدقہ کو بھی بڑا دخل ہے ورنہ کیا معاذ اللہ آپ یہ کہیں گے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو استنجا کرنا اور نہانا دھونا نہیں آتا تھا۔ حضرت یہ وہ پاکی ہے جو سات سمندروں کے پانی سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور ظاہری ناپاکی اس کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچاتی۔

قاری صاحب کی حکایت

رامپور کے ایک قاری صاحب کی میں نے حکایت سنی ہے کہ ان کو حج کا اشتیاق ہوا لیکن روپیہ پاس نہ تھا کہیں سے ان کو سوا روپیہ مل گیا تھا۔ اس میں سے چار آنے کا ایک تھیلہ منگوایا اور ایک روپیہ کے چنے بھنوا کر اس میں بھر لئے اور پیادہ پا چل پڑے۔ راستہ میں کہیں کسی نے دعوت کردی اور دل نے منظور کیا تو دعوت قبول فرمالی ورنہ چنے چاب (۲) کر پانی پی لیا اور آگے چل پڑے۔ اسی طرح کئی مہینے میں ممبئی پہنچے۔ جب جدہ کو جہاز جانے لگا تو قاری صاحب جہاز پر پہنچے اور کپتان سے کہا کہ اگر جہاز میں کوئی نوکری خالی ہو تو میں نوکری چاہتا ہوں۔ کپتان نے کہا کہ نوکری تو ہے مگر آپ کے مناسب نہیں کیونکہ اس نے صورت سے دیکھا کہ ایک شریف بزرگ انسان ہے اس کے لئے کوئی پاکیزہ کام چاہیے۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ آپ مناسب وغیر مناسب کو نہ دیکھئے اگر کوئی ملازمت خالی ہو مجھے

(۱) مہذب بن گئے (۲) چنے کھا کر۔

دے دیجئے۔ کپتان نے کہا ایک بھنگی کی ملازمت خالی ہے۔ مگر آپ اس کو نہیں کر سکتے کیونکہ قوت کا کام ہے اور آپ ضعیف ونحیف آدمی ہیں۔ فرمایا تم اس کی فکر نہ کرو میں سب کام کرلوں گا اس نے امتحان کے طور پر کہا کہ اچھا یہ بورا پڑا ہے اس کو تو اٹھاؤ۔ وہ بورا اڑھائی تین من کا تھا جس کو قوی مزدور بھی نہ اٹھا سکتا تھا قاری صاحب نے اس کو ہاتھ لگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہاں تک تو میرا کام تھا آگے آپ کا کام ہے میری مدد فرمائیے دعا کرکے جو بسم اللہ کرکے اٹھایا ہے تو سر سے اوپر لے گئے اور نہایت سہولت سے دوسری جگہ رکھ دیا۔ کپتان نے کہا شاباش! تم واقعی یہ کام کرلوگے اور آپ کا نام لکھ لیا۔ دو غریب مسلمان شائقِ حج اور کھڑے تھے۔ انہوں نے بھی کپتان سے ملازمت کی درخواست کی۔ کپتان نے کہا کہ یہی ملازمت خالی ہے اگر تم کرنا چاہو تم بھی آجاؤ۔ اس کام کو سن کر سب رک گئے کہ یہ تو ہم سے نہ ہوگا۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ کے بندو! محبوب کے دربار میں جانے کے لئے راستہ موجود ہے اور تم محض اس کام کی وجہ سے رکتے ہو۔ چلو تم نام لکھوالو میں تمہارا کام بھی کردیا کروں گا۔ چنانچہ ان کا نام بھی لکھوادیا اور خود سب کے کام کا ذمہ لیا۔ جب جہاز میں دن بھر آپ بھنگی کا کام کرتے اور نماز کے وقت نہا دھو کر پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھتے اور رات کو تہجد میں قرآن پڑھتے۔ ہائے کیسے عجیب لوگ تھے۔

این چنیں شیخے گدائے کو بکو　　عشق آنند لا ابالی فاتقوا(۱)

ایک اور شاعر کہتا ہے

عشق رانازم کہ یوسف را بازار آورد　　ہمچو صنعا زاہدے راز یر زنار آورد(۲)

---

(۱) ''ایسا فقیر صفت شیخ میں بڑا لاابالی ہے پس ڈرتے رہے'' (۲) ''میرے عشق کو ناز ہے کہ یوسف علیہ السلام کو بازار لے آیا صنعا جیسے زاہد کو زنار پہنا دیا''۔

تلاوت کی برکت

ایک رات قاری صاحب تہجد میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے کہ کپتان ان کے پاس سے گزرا۔ اس کو ان کا قرآن پڑھنا پسند آیا۔ کھڑا ہوگیا۔ جب نماز سے سلام پھیرا تو پوچھا کہ تو کیا پڑھتا ہے۔ کیا یہ خدا کا کلام ہے۔ کہا ہم کو بھی سکھلادو۔ فرمایا کہ ہاں مگر ایک شرط ہے کہ پہلے غسل کرو۔ پھر ایک کلمہ پڑھو۔ اس کے بعد قرآن سکھلائیں گے چونکہ اسے قرآن کا شوق ہوگیا تھا، اس نے غسل بھی کیا اور کلمہ بھی پڑھا الحمد اور قل ھو اللہ سیکھی اور شوق میں چلتے پھرتے ان کو پڑھتا تھا دوسرے انگریزوں نے جو اس کو قرآن پڑھتے سنا کہا یہ تم کیا پڑھتے ہو؟ کہا ہمارے بھنگی نے ہم کو سکھایا ہے ہم قرآن پڑھتے ہیں انگریزوں نے کہا کہ تو تو مسلمان ہوگیا کہا نہیں میں مسلمان نہیں ہوا انگریزوں نے کہا کہ نہیں تو مسلمان ہوگیا۔ تو وہ دوڑا ہوا قاری صاحب کے پاس آیا کہ کیا میں مسلمان ہوگیا۔ قاری صاحب نے کہا کیا آج ہوئے تم تو کئی روز سے مسلمان ہو چکے ہو۔ اس کو یہ سن کر اول تو کچھ گھبراہٹ سی ہوئی۔ پھر کہنے لگا اگر اس کے پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوجاتا ہے تو ہم مسلمان ہی رہیں گے لیکن اس کلام کو نہ چھوڑیں گے اس کے بعد اپنی میم سے کہا کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں، اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو تم بھی مسلمان ہوجاؤ ورنہ تم بھی ہم سے الگ ہوجاؤ۔ میم نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس نے اس کو الگ کردیا۔ پھر جب جدہ آگیا تو قاری صاحب کے ساتھ وہ بھی جہاز کی ملازمت سے استعفادے کر مکہ چلا گیا اور حج ادا کیا۔

تو حضرت یہ وہ پاکی ہے جو پاخانہ اٹھانے سے زائل نہیں ہوتی ہاں اس میں رذائل باطنی سے ضرور کمی آجاتی ہے۔

اہل اللہ کی اصلاح

اس پر اس وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک واقعہ یاد آیا۔ مقصود تو یہی واقعہ ہے مگر اس سے پہلے ایک اور واقعہ ان ہی کا بیان کرتا ہوں کیونکہ اس واقعہ کا مقصود سے تعلق ہے۔

وہ تمہیدی واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بادشاہ دہلی نے آپ کو بلایا اور یہ حضرات سلاطین کی توہین نہ کرتے تھے بلکہ ان کے حقوق حاکمانہ کی رعایت فرماتے تھے چنانچہ بادشاہ کے بلانے پر آپ چلے اور قیمتی لباس پہن کر چلے۔ راستہ میں ایک کتے کا بچہ ایک گندی نالی میں سردی سے سکڑا ہوا پڑا دیکھا اول خادم سے فرمایا اس کو باہر نکالے وہ ذرا منقبض سا ہوا(۱) آپ سے نہ رہا گیا۔ فوراً اپنے ہاتھ سے نکالا اور حمام وہاں قریب تھا وہاں لے جا کر اس کو گرم پانی سے غسل دیا اس کو گرمی پہنچی تو وہ حرکت کرنے لگا پھر اس محلّہ کے آدمیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس کی خبر گیری(۲) کا وعدہ کرلو تو میں اس کو یہاں چھوڑ دوں ورنہ اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کسی نے ذمہ لے لیا تب آپ اس کے حوالے کر کے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ مقصودہ یہ ہوا کہ ایک دن آپ جنگل میں بٹیا(۳) کے راستے جا رہے تھے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بٹیا کے دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا۔ صرف بٹیا کا راستہ خشک تھا کہ سامنے سے ایک کتا اسی بٹیا پر آ گیا۔ بٹیا اتنی پتلی تھی کہ شاہ صاحب کتے سے بچ کر نہ نکل سکتے تھے بلکہ دونوں میں سے ایک کو پانی کیچڑ میں اترنا پڑتا تھا۔ اب شاہ صاحب ٹھہر گئے اور کتا بھی سامنے کھڑا ہوگیا۔ شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ بھائی تم کیچڑ میں اترو۔ کہا کیوں میں ہی کیوں اتروں؟ کیا تم اپنے کو مجھ سے افضل سمجھتے ہو(۴)۔ فرمایا نہیں!

(۱) اس کو اس کام کے کرنے میں تردد ہوا (۲) دیکھ بھال (۳) کھیتوں کے درمیان چلنے کے لئے جو ڈول اور ایک ڈنڈی بنائی جاتی ہے اس پر جا رہے تھے (۴) یہ سوال و جواب یا الہاماً ہوا یا بطور کرامت صراحتاً۔

صرف اس لئے تم سے اترنے کو کہہ رہا ہوں کہ میں مکلّف ہوں نماز وغیرہ پڑھتا ہوں کیچڑ میں میرے کپڑے خراب ہوجائیں گے۔تو غیر مکلّف ہے پانی سے نکل کر سوکھ جائے گا تیرا کچھ خرچ نہ ہوگا کتے نے جواب دیا کہ ہاں میرا اترنے سے کوئی حرج نہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر تم اترے تو صرف کپڑے ناپاک ہوں گے جو ایک لوٹا پانی سے پاک ہوجاویں گے لیکن میں اتر گیا اور تمہارے دل میں وسوسہ آ گیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو تمہارا دل اتنا ناپاک ہوجائے گا کہ سات سمندروں سے بھی اس کی نجاست زائل نہ ہوگی۔ اب تم کو اختیار ہے جس شق کو چاہو اختیار کرو(۱)۔بس یہ سن کر شاہ صاحب نے کپڑے سنبھالے اور بسم اللہ کر کے خود ہی کیچڑ میں اتر گئے اور کتا بٹیا کے راستے سے چلا گیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ عبدالرحیم! خبر بھی ہے کہ یہ علم عظیم تم پر کتے کی زبان سے کیوں ظاہر کیا گیا تم نے جو فلاں دن ایک کتے کے بچہ کی خدمت کی تھی یہ اس کی برکت سے عطا ہوا اور ہم نے کتے ہی کے واسطہ سے تم کو یہ علم دیا تاکہ تمہارا اس کتے کے بچہ پر احسان نہ رہے کیونکہ اسی کی برادری کے ایک فرد نے اس کی مکافات کر دی(۲)حضرات اہل اللہ کی یوں اصلاح ہوتی ہے۔

اہل اللہ کا حال

کسی کو کیا خبر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں۔

اے ترا خارے بپانہ شکستہ کے دانی کہ چیست　　حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورد(۳)

ان کو پریشانی بھی ایسی پیش آتی ہے کہ اہل دنیا کی پریشانی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھی اور خوشی بھی ایسی ہوتی ہے کہ دنیا داروں کو اس کی ہوا نہیں لگی۔اس خوشی کا یہ حال ہے۔

---

(۱) جو صورت چاہے اختیار کو(۲) اس کا بدلہ چکا دیا (۳) ''تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے''۔

بفراغ　دل　زمانے　نظرے　بماہ　روئے

بہ　ازاں　کہ　چتر　شاہی　ہمہ　روز　وہائے　ہوئے(۱)

بعض لوگ اہل اللہ کو ظاہر میں خوش پوشاک اور بے فکر دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو کچھ فکر نہیں۔ ہاں سچ ہے جس چیز کی تم کو فکر ہے اس کی انہیں فکر نہیں یعنی دنیا کی اور جس کی انہیں فکر ہے اس کی تم کو خبر ہی نہیں یعنی خدا کے تعلق میں کمی نہ ہونے کا۔ تم اہل اللہ کی رِیس (۲) نہ کرو۔ ان کی طرف خوش پوشاک نہ بنو، نہ ان کے اقوال کی نقل کرو۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　بس سخن کوتاہ باید والسلام

جب خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اسی میں ہے کہ ان مضامین میں سکوت کیا جائے۔

اگر تم نقل کرو گے تو وہی حالت ہوگی جیسے ایک بندر نے بڑھئی کی نقل کی تھی کہ اس کو لکڑی چیرتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ بھی اس کے جانے کے بعد لکڑی پر آبیٹھے اور میخ جو دو تخوں (۳) کو چیرتے ہوئے درمیان میں لگا دی جاتی ہے ان کے درمیان میں اتفاق سے آپ کی سب جمع پونجی آگئی (۴) اور آپ نے اسی میخ کو ہلانا شروع کیا۔ اس پر جو زور پڑا وہ میخ نکل آئی اور دونوں تختے باہم مل گئے اور دونوں کے بیچ میں آپ کی سب جمع پونجی آگئی۔ اب کیا تھا قرنطینہ ہوگیا(۵)۔ لگا چیخنے چلانے کچھ دیر کے بعد جو بڑھئی آیا اس نے خوب مرمت کی اسی لئے کہتے ہیں۔

کار　بوزینہ　نیست　نجاری(۶)

یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بلا تحقیق اہل اسرار کی نقل کرتے ہیں۔

---

(۱) ''ایک ساعت، ایک لمحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی داروگیر شاہی سے بہتر ہے'' (۲) نقل (۳) ایک لکڑی دونوں تختوں کے بیچ میں پھنسا دی جاتی ہے تاکہ لکڑی آرام سے کٹ جائے (۴) تختوں کے درمیان بندر کے خصیتین آگئے (۵) اس تکلیف میں تنہاء چلانا شروع کردیا (۶) ''بندر ترکھان کا کام نہیں کرسکتا''۔

بس بزرگوں کا اتباع ان افعال واقوال میں کرو جن کے اتباع کا وہ حکم کریں۔ باقی ان کی خاص حالت یا ان اقوال کی نقل نہ کرو جو اسرار کے متعلق ہیں۔غرض دل کی طہارت اور چیز ہے وہ استنجا سے یا دھونے مانجنے سے حاصل نہیں ہوتی اس کے حصول کا طریق دوسرا ہے۔

حضرت بایزید کا حال

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار چلے جارہے تھے کتا سامنے آگیا آپ نے اس سے دامن بچایا کتے نے کہا کہ مجھ سے دامن اس لئے بچاتے ہو کہ میں ناپاک ہوں۔مگر یاد رکھو میرا تو ظاہر ہی ناپاک ہے اور تمہارا باطن تکبر کی وجہ سے ناپاک ہے میری ناپاکی تو سات بار پانی بہانے سے دور ہوسکتی ہے مگر تمہاری ناپاکی باطنی، سات سمندروں سے بھی پاک نہیں ہوسکتی۔ حضرت بایزید روئے اور کہا آؤ دونوں دوستی کرلیں۔ ہم بھی ناپاک، تو بھی ناپاک۔ اس نے کہا میری تمہاری کیا دوستی تم جہاں جاتے ہو تمہاری تعظیم کی جاتی ہے اور میں جہاں جاتا ہوں دھتکارا جاتا ہوں آپ پھر روئے اور فرمایا جو شخص کتے کی دوستی کے لائق نہ ہو وہ خدا کی دوستی کے کب لائق ہوگا۔

صاحبو! اہل اللہ کی اس طرح اصلاح ہوتی ہے اور یوں ان کے دل کو پاک کیا جاتا ہے ان ہی حضرت بایزید کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک بار عید کے دن حمام سے نہادھوکر عمدہ لباس پہن کر نکلے آرہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص نے اپنے مکان سے کوڑے اور راکھ کا ٹوکرا غلطی سے آپ کے اوپر ڈال دیا۔ تمام بدن اور لباس ملوث ہوگیا مگر آپ کے چہرہ پر بل نہیں پڑا۔ فوراً نفس کو خطاب کرکے فرمایا کہ اے نفس تو تو جہنم کے لائق ہے اگر راکھ ہی پر صلح ہوجائے تو تیری خوش نصیبی ہے۔

فکر اصلاح

صاحبو! یہ ہے دل کی پاکی جس کا اس جگہ بیان ہے اس سے آج کل مسلمان بالکل بے خبر ہیں۔ اس بے خبری کی بدولت ہماری یہ حالت ہے کہ دشمنوں سے تو کیا موافقت کرتے دوستوں سے بھی اختلاف وجدال کرتے رہتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است وجنگ(۱)

حضرت جس کو اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس کو اتنی مہلت ہی نہیں ہوتی جو کسی سے لڑائی جھگڑا کرے۔ اس کو دشمنوں سے لڑائی کا موقع تو کیا ملتا دوستوں سے ملاقات کا وقت بھی نہیں ملتا۔ وہ سب سے الگ رہتا ہے نہ کسی سے دوستی بڑھاتا ہے نہ دشمنی پیدا کرتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کیں ولم از صلح ہا ہم مے برد(۲)

کیونکہ تجربہ ہے کہ دشمن اتنا وقت ضائع نہیں کرتا جتنا دوست ضائع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ دوستی سے بھی گھبراتے ہیں۔ صاحبو! اللہ والے بن کر دیکھو اس وقت تم کو اس کا یقین آئے گا کہ ان کو نہ دوستی کی فرصت ملتی ہے نہ عداوت کی، سعدی فرماتے ہیں کہ ؂

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئی چو بگذشت بر عارف جنگ جوئی
گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نپرداختے(۳)

اس تقریر سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دل کا پاک ہونا کیا ہے اور اس کی

---

(۱) ''مردانِ راہ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا۔ تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے'' (۲) اچھی اور بری لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ میرا دل صلح وآشتی سے جیتا جاسکتا ہے'' (۳) '' بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ ایک عارف جنگجو پر گزرے۔ اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا''۔

کس قدر ضرورت ہے بس ضروری مضمون تو اسی قدر تھا کہ لوگ جس چیز کی ضرورت سے غافل ہیں اس کی ضرورت کو ظاہر کر دیا جائے اب ایک ضرورت اس کی رہ گئی کہ اس کے حصول کا طریقہ بتا دیا جائے۔

طہارت باطنہ کے حصول کا طریقہ

سو وہ بھی اس آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ جن حضرات صحابہ سے یہ خطا ہوئی تھی کہ وہ غزوہ تبوک سے متخلف ہو گئے (۱)، انہوں نے اس کا تدارک یوں کیا کہ اول تو اپنی خطا کا اعتراف صاف صاف کیا کوئی عذر یا بہانہ نہیں تراشا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع کلام وسلام کا حکم فرمایا اور وہ اس سزا پر راضی رہے (یہ غزوہ تبوک سے واپسی میں ہوا) پھر جب ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مال لے کر حاضر ہوئے کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا جائے۔

مجھے ان واقعات کی صورت مقصود نہیں بلکہ ان کی اصل مقصود ہے۔ اصل ان سب کی مجاہدہ ہے جس کے معنی لغت میں مشقت میں ڈالنے کے ہیں اور شریعت میں مجاہدہ کی تفسیر یہ ہے کہ نفس کی ان خواہشوں کی مخالفت کرنا تو ہر شخص کے نزدیک ضروری ہے علماء ظاہر بھی اس کے وجوب کا انکار نہیں کر سکتے۔ مگر شاید مقدمات معصیت (۲) کی مخالفت میں کسی کو کلام ہو لیکن علماء ظاہر نے بھی طے کر دیا ہے کہ مقدمۃ الواجب واجب ومقدمۃ الحرام حرام (۳) اس لئے اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ ان خواہشوں کی مخالفت بھی ضروری ہے جو مقدمات معاصی ہیں۔ چنانچہ حضرات صوفیہ نے اپنے تجربہ سے کثرت کلام مباح وکثرت اختلاف مباح وکثرت طعام مباح وکثرت منام مباح کو مقدمہ معاصی سمجھا ہے (۴) اور تفصیل کا

---

(۱) پیچھے رہ گئے تھے (۲) گناہوں کے مقدمات (۳) واجب کا مقدمہ واجب اور حرام کا مقدمہ حرام ہوتا ہے (۴) زیادہ باتیں کرنا زیادہ میل جول زیادہ کھانا زیادہ سونا ان سب چیزوں کو گناہ کا مقدمہ سمجھا ہے۔

موقعہ نہیں ورنہ میں ثابت کر دیتا کہ واقعی زیادہ تر معاصی ان مباحات کی کثرت ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جب تک ان میں تقلیل نہ کی جائے گی اس وقت تک مخالفت تقاضائے معاصی (۱) پر آسانی سے ہرگز قدرت نہ ہوگی۔ اس لئے صوفیہ تقلیل کلام و تقلیل اختلاط مع الانام و تقلیل منام (۲) کا حکم فرماتے ہیں اور تقلیل تو میں کہہ رہا ہوں ورنہ وہ تو ترک کا حکم کرتے ہیں لیکن مراد ان کی بھی تقلیل ہے جس کو ترک سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ

بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود (۳)

صوفیاء کی یہ تعلیم ایسی ہے جیسے طبیب مسہل میں باتیں کرنے اور سونے سے منع کیا کرتا ہے کیونکہ باتیں کرنا اور سونا مسہل کے اثر کو باطل کرتا ہے اسی طرح صوفیا کہتے ہیں کہ یہ اعمال صلوٰۃ وصوم وغیرہ جو شریعت نے بتلائے ہیں یہ باطن کے لئے مسہل ہیں۔ مگر ان کی تاثیر جب ہی ظاہر ہوگی جب کہ کلام ومنام واختلاط وطعام میں تقلیل کی جائے (۴) ورنہ مسہل کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔

اس مثال سے میرا مقصود یہ ہے کہ حضرات صوفیہ کوئی نئی بات نہیں بتلاتے بلکہ وہی طریقہ بتلاتے ہیں جو تم معالجہ اجسام (۵) میں استعمال کرتے ہو مگر حیرت ہے کہ علماء ظاہر اطباء پر تو اعتراض نہیں کرتے کہ یہ سکوت وسحر (۶) کو کدھر سے لازم کر رہے ہیں اور صوفیاء پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ دونوں کے الزام کا منشاء ایک ہی ہے پس معلوم ہوگیا کہ طہارت باطنیہ کا طریقہ مجاہدہ ہے یعنی مخالفت نفس جس میں اصل مقصود تو مخالفت تقاضائے معاصی میں ہے مگر تجربہ سے اس کا حصول مخالفت تقاضائے بعض مباحات پر موقوف ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ باتیں کم کرو اور سوچ کر کرو۔ کوئی بات خلاف شریعت نہ کرو اور کلام مباح بھی ضرورت

---

(۱) گناہ کے تقاضے کی مخالفت پر قدرت نہیں ہوگی (۲) کم کھانے کم ملنے اور کم سونے کا (۳) موت کی خبر دو گے تو بخار پر راضی ہو جائے گا (۴) ان کا اثر جب ہی ہوگا کہ کھانے، میل جول اور سونے میں کمی کی جائے (۵) علاج جسمانی میں (۶) خاموشی اور بیداری کا کیوں حکم کرتے ہیں۔

سے زیادہ نہ کرو۔ اور سونا کم کرو۔ اگر زیادہ نہیں جاگ سکتے تو کم از کم عشاء کی نماز سے پہلے مت سوؤ۔ تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۱) کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر سوتے ہیں اس لئے اگر تہجد میں نہ اٹھ سکو تو کم از کم اتنی ہی بیداری کے عادی ہوجاؤ کہ عشاء کے بعد سویا کرو اس سے پہلے نہ سوؤ مگر اب تو مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ بس ہمیں کچھ بھی نہ کرنا پڑے اور خود بخود سارا کام ہوجائے باطن کی طہارت حاصل ہوجائے اے صاحبو! آخر کچھ تو ظاہری طہارت میں بھی اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پھر ستم ہے کہ باطنی طہارت میں جو اس سے اہم واشد ہے اتنا اہتمام بھی نہ ہو جتنا ظاہری صفائی میں کیا جاتا ہے۔

مجاہدات میں سہولت

حالت یہ ہے کہ نماز میں نیند کی شکایت ہے روزہ میں گرمی اور پیاس کی شکایت، میں کہتا ہوں کہ تم یہ شکایت اسی وقت تک کر رہے ہو جب تک توجہ نہیں کی۔ بخدا تم توجہ کر کے دیکھو۔ اگر تم توجہ کرو گے تو ان شاء اللہ تم کو ایسے پاک کرنے والے بھی ملیں گے جو آسان راستہ سے آپ کو پہنچا دیں گے۔ جیسے ظاہری سفر میں آج کل سہولت ہوگئی ہے کہیں پسنجر ہے کہیں ڈاک کہیں اسپیشل ہے اسی طرح آج کل طریق باطن میں بھی ڈاک اور اسپیشل موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ اپنے بندوں کی حالت سے واقف ہیں جب تک لوگوں میں قوت تھی اس وقت تک یہ سہولت کے سامان موجود نہ تھے۔ جب سے لوگوں میں ضعف آ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں بھی سہولت کے سامان کر دیئے اور باطن میں بھی۔ پس آپ مجاہدہ کا نام سن کر نہ گھبرائیں۔ آج کل بعض لے جانے والے ایسے بھی ہیں جنہوں نے راستہ کو آسان کر دیا ہے۔ لیکن اتنا مجاہدہ تو کرنا پڑے گا کہ ارادہ کرو، قصد کرو، اسٹیشن پر پہنچو، ٹکٹ خریدو۔ پھر ان شاء اللہ بہت جلد پہنچ جاؤ گے۔ نہ راستہ میں لٹنے کا خطرہ ہوگا نہ پیاس اور بھوک کا اندیشہ۔

(۱) سورۃ السجدۃ: ۱۶/۳۲۔

بلکہ ہر مقام پر راحت کا سامان ملتا رہے گا۔ بہت سے اللہ کے بندے راحت کے ساتھ مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ بھی توجہ کر کے دیکھئے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ترکِ معاصی کی ضرورت

میں یہ بات تجربہ اور تحقیق سے کہہ رہا ہوں کہ آج کل بعض مشائخ نہایت سہولت سے طریق طے کراتے ہیں۔ ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ بعض مشائخ ایک مقام سے دفعۃً دوسرے مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ درمیانی مقامات کی بھی اطلاع نہیں ہوتی گویا طریق باطن کا یہ طغرا ہے (۱)۔ اسی کو مولانا جامی فرماتے ہیں۔

نقشبند یہ عجب قافلہ سالار اند که برند ازرہ پنہاں بحرم قافلہ را
ہمہ شیراں جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را (۲)

اور یہ محض نقشبندیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر محقق کی یہی حالت ہے اب بعض نادان یوں کہتے ہیں کہ ہم کو بعض کیفیات تو پیش آئی ہی نہیں جو دوسروں کو پیش آتی ہیں۔ اب یہ شیخ سے شکایت کرتے ہیں اور اس کے احسان کا شکر نہیں کرتے کہ اس نے سب گھاٹیوں سے دفعۃً پار کر کے اتنا جلدی پہنچا دیا ہے کہ کیفیات وغیرہ سب درمیان میں رہ گئیں اور یہ مقصود تک پہنچ گیا۔ اگر میں اس کی تفصیل کرنے بیٹھوں تو وقت بہت چاہیئے۔ مگر تفصیل سے کیا ہوتا ہے یہ تو کرنے کا کام ہے تفصیل یاد کرنے سے کام نہ چلے گا۔ توجہ کرو کام میں لگو خود مشاہدہ ہو جائے گا یہ طریقہ پہلے مشائخ کا تھا کہ تمام رات بیداری کراتے تھے اب تو شیوخ کا یہ طرز ہے کہ اگر مرید تمام رات جاگنا بھی چاہے تو اس کو روکتے ہیں اور تمام دشواری کی صورتوں سے منع کرتے ہیں۔ بس اب طالبین کی وہ حالت ہے جو حدیث میں

(۱) امتیاز ہے (۲) ''نقشبندیہ عجب سالار قافلہ ہیں کہ مخفی راہ سے سالکین کو خدا رسیدہ بنا دیتے ہیں۔ تمام دنیا کے شیران جہاں اس سلسلہ میں وابستہ ہیں''۔

پرندوں کی حالت مذکور ہے کہ تغلو خماصاً وتروح بطاناً(۱) صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں شام کو پیٹ بھر کر اپنے گھونسلے میں چلے جاتے ہیں۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تدبیر کا ابطال کر رہا ہوں ہرگز نہیں بلکہ اس مثال سے بھی تھوڑی سی تدبیر کا تو اثبات ہوگیا کیونکہ پرندے جو شام کو پیٹ بھر کے لوٹتے ہیں وہ اسی کا تو نتیجہ ہے کہ صبح کو گھونسلوں سے نکل کر جنگل کی طرف اڑ کر جاتے ہیں تو اس تدبیر کی ضرورت تو ہر حال میں ہے کہ طالب بن کر کسی کے پاس پہنچ جاؤ۔ میں مطلقاً تدبیر کا ابطال نہیں کر رہا بلکہ سہولت تدبیر بتلا رہا ہوں کہ آج کل شیوخ محققین توسط کا امر کرتے ہیں مبالغہ سے منع کرتے ہیں بس دو باتوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ معاصی کو قاطبہ(۱) چھوڑ دو اور یہ کچھ دشوار نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ معاصی کا چھوڑنا بہت آسان ہے اس میں کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ترک معاصی پر قلب کو لذت وراحت ہوتی ہے جب کسی نامحرم پر نظر پڑتی ہے اس وقت دل چاہتا ہے کہ اس کو دیکھوں دیکھنے اور گھورنے کے بعد دل میں ایک وحشت وپریشانی پیدا ہوتی ہے اور نگاہ نیچی کرنے میں اس وقت تھوڑی دیر تو کلفت ہوگی لیکن اس عورت کے چلے جانے کے بعد قلب پر نگاہ کرو تو ایک حلاوت موجود ہوگی اور دل خوش ہو کر یوں کہتا ہوگا۔

شکر للہ کہ بمردیم ورسیدیم بدوست   آفریں باد بریں ہمہ مردانہ ما(۳)

حدیث میں وعدہ ہے کہ جب کوئی شخص نامحرم سے نگاہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں خاص حلاوت پیدا کرتے ہیں اور ثواب آخرت جدا رہا۔ دنیا میں یہ ثمرہ حاصل ہوتا ہے کہ دل کو چین وحلاوت نصیب ہوتی ہے جس سے واللہ موت بھی شیریں ہوجاتی ہے۔ اس کے واقعات سے بھی مزے لیتا ہے۔ اسی کو

(۱) شعب الایمان للبیهقی، التوکل باللہ عزوجل والتسلیم لامرہ تعالی فی کل شیءٍ: رقم الحدیث: ۱۱۳۹ (۲) بالکل
(۳) ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے''۔

حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں۔

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما(۱)

پس گناہوں سے قاطبۃً احتراز کرو اور اگر کسی سے سب گناہ دفعۃً نہ چھوٹ سکیں تو کم ازکم وہ گناہ تو چھوڑ دے جن کے ترک میں دنیا کا بھی کوئی نقصان نہیں جیسے بدنگاہی، جھوٹ، فریب، دغابازی، تکبر، ریا، نخوت وغیرہ اور صورت یا لباس میں کفار فساق کا تشبہ کرنا وغیرہ وغیرہ اور جن معاصی کے ترک میں دنیا کا نقصان معلوم ہوتا ہے جیسے کسی کی ملازمت ناجائز ہو یا تنخواہ تھوڑی ہو اور رشوت لیتا ہو ان سے میں یہ کہتا ہوں کہ ابھی آپ اس ملازمت کو ترک نہ کریں بلکہ اسی وقت سے جائز ملازمت اور حلال روزی کی فکر میں سچے دل سے لگ جائیں اور جب تک حلال روزی اور جائز ملازمت نہ ملے اسی حرام ملازمت میں رہئے۔ مگر خدا کے لئے اس کو حرام سمجھئے اور یوں سمجھئے کہ میں مجبوری میں کھا رہا ہوں ایک کام تو یہ کیجئے۔

توبہ واستغفار کا اہتمام

دوسرا کام یہ کیجئے کہ روزانہ اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کیجئے کہ میرا اس حرام ملازمت کا گناہ معاف کیجئے اور دعا کیجئے۔ کہ ''اللہ مجھے حلال روزی عطا کیجئے'' اس طرح آپ عمل کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ کوئی سبیل خلاصی کی پیدا ہوجائے گی۔ اور جب تک خلاصی نہ ہو آپ ناجائز ہی ملازمت میں رہئے۔ مگر اس عمل کو ترک نہ کیجئے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں ناجائز ملازمت کی اجازت دے رہا ہوں بلکہ اس ناجائز ابتلاء کو دوسری بلا کا وقایہ بنا رہا ہوں۔ جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

ایں بلا دفع بلا ہائے بزرگ(۲)

کیونکہ آج کل زمانہ ایسا ہے کہ بعض لوگ فاقہ اور تنگی میں ایمان کو خیر باد

(۱) ''اگر منکر نکیر آئیں اور دریافت کریں کہ تیرا رب کون ہے تو جواب دوں گا کہ وہ ہے جس نے ہمارے دل دیوانہ کو چھین لیا ہے'' (۲) ''یہ بلا بڑی بلاؤں کو دفع کرنے والی ہے''۔

کہہ دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات ہمارے سامنے ہیں اور جو مفتی اپنے زمانہ سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے اس لئے میں کسی کو جلد ترک ملازمت کا مشورہ نہیں دیا کرتا بلکہ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم اسی حالت میں رہ کر محبت خدا دل میں پیدا کرو جب محبت پیدا ہو جائے گی تو پھر فاقہ اور تنگی سب آسان ہو جائے گی۔

نسبت راسخہ کا اثر

حضرت رابعہ کی یہ حالت تھی کہ جب مسلسل کئی روز تک کھانے کو ملتا اور فاقہ نہ ہوتا تو رویا کرتیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے، روٹھ گئے جو فاقہ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ اپنے دوستوں ہی کو فاقہ دیا کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت رابعہ کے یہاں مہمان آئے۔ آپ کے گھر میں کل دو روٹیاں تھیں۔ تھوڑی دیر میں ایک فقیر سائل آ گیا آپ نے وہ روٹیاں سائل کو دے دیں۔ مہمانوں کو حیرت ہوئی کہ اتنے تو مہمان گھر میں ہیں اور سوائے دو روٹیوں کے کچھ اور ہے ہی نہیں وہ بھی گھر میں نہ رکھیں۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ خدا کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص خوان لایا کہ فلاں رئیس نے حضرت کے واسطے کھانا بھیجا ہے۔ فرمایا لاؤ۔ دستر خوان کھول کر آپ نے روٹیاں شمار کیں تو اٹھارہ تھیں۔ فرمایا واپس لے جاؤ۔ یہ میرے واسطے نہیں دی ہیں کسی اور کو دی ہوں گی کیونکہ میرے لئے بیس سے کم نہیں ہو سکتیں۔ میں نے ابھی فقیر کو دو روٹیاں دی ہیں اور میرے محبوب کا وعدہ ہے۔ الحسنة بعشرة امثالها(۱) تو اس حساب سے پوری بیس روٹیاں ہونا چاہئیں۔ قاصد نے کہا حضور آپ کا حساب درست ہے۔ دو روٹیاں میں نے چرائی تھیں وہ یہ ہیں۔ اب آپ نے وہ کھانا قبول کیا اور مہمان سمجھ گئے کہ حضرت رابعہ نے دو روٹیاں سائل کو کس لئے دی تھیں۔ حضرت جب نسبت راسخ ہو جائے گی تو اس وقت آپ بھوکے بھی رہیں گے تو مزے میں رہیں گے اور یوں کہیں گے۔

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الغسل یوم الجمعۃ: رقم الحدیث: ۳۴۳

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

اور یوں کہیں گے۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　　دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

اب آپ سے نوکری بھی چھڑوا دیں گے اور آپ کو کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ اے صاحبو! ایک ادنیٰ معشوق کی محبت میں کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ اس کی نظائر رات دن مشاہدہ میں آتی ہیں۔ اس سے کوئی پوچھے کہ اب یہ فاقہ کیونکر گوارا ہوگیا۔ پھر عشاق خداوندی پر کیوں تعجب ہے۔ اگر وہ فاقہ سے خوش ہوں۔ حضرت اہل اللہ کی تو یہ حالت ہے کہ محبوب سے مل کر بھی ان کا دل سیر نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی وہ تڑپتے ہی رہتے ہیں پھر وہ فاقہ اور بھوک کی کیا پرواہ کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عشق کا اضطراب(۳) دنیا میں ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ تو آخرت ہی میں ختم ہوگا۔ عشاق مجاز تو وصال محبوب سے پہلے ہی کھانا، پینا، سونا چھوڑتے ہیں وصال کے بعد ہر چیز کے ہوش آجاتے ہیں۔ مگر عشاق خدا کو عمر بھر کسی چیز کا ہوش نہیں آتا یعنی وہ کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے۔

عجب داری از سالکان طریق　　　کہ باشند در بحر معنی غریق
نگویم کہ بر آب قادر نیند　　　کہ بر ساحل نیل مستقیند(۴)

اور یہ ایسی باتیں ہیں کہ جب چاہو اپنے اندر ان کا مشاہدہ کرلو۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو وسمن درآ
تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن در آ

تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی

---

(۱) ''دشمن کا مقدر یہ نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہوجائے۔ آپ کے خنجر آزمانے کے لئے دوستوں کا سر سلامت رہے'' (۲) ''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں'' (۳) عشق کی بے چینی (۴) ''سالکین طریق سے تم کو تعجب ہے کہ حقیقت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں، بلکہ دریائے نیل کے ساحل پر کھڑے ہیں اور پیاسے ہیں''۔

چاہے سیر کرلو۔

مجاہدہ کی ضرورت

ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک تو معاصی کو قاطبہ چھوڑ دو۔ دوسرا کام یہ کرو کہ تھوڑا سا مجاہدہ کیا کرو یعنی نفس کی مخالفت کیا کرو۔ اور مجاہدہ کے دو شعبے ہیں۔

ایک مجاہدہ بدنیہ دوسرے مجاہدہ مالیہ۔ مجاہدہ مالیہ میں بہت لوگ کوتاہی کرتے ہیں، اکثر سالکین مجاہدہ بدنیہ پر تو جلد راضی ہوجاتے ہیں مگر مجاہدہ مالیہ دشوار معلوم ہوتا ہے۔ بس وہی حالت ہے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ور زر طلبی سخن دریں است (۱)

حالانکہ مجاہدہ مالیہ، مجاہدہ کی ایک فرد ہے اس کو بھی اختیار کرنا چاہئے بعض لوگ ایسے ہیں جو نہ مجاہدہ بدنیہ کریں نہ مجاہدہ مالیہ وہ محض وظیفوں ہی سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ بھلا جس کا قلب مریض ہو اس کا علاج زبان کے وظائف سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ بس اس معالجہ کی وہی حالت ہے جو مثنوی میں طبیب روحانی کے قصہ میں مولانا نے فرمایا ہے کہ جب وہ طبیب روحانی آیا اور اس نے دوسرے اطباء کا طریقہ علاج دیکھا تو کہا۔

گفت آں دارد کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بے خبر بودند از حال دروں استعیذ اللہ ما یفترون (۲)

نماز کی پابندی کا طریقہ

ایک صاحب نے مجھ سے شکایت کی کہ رات کو آنکھ نہیں کھلتی۔ کوئی وظیفہ

---

(۱) اگر جان مانگو تو مضائقہ نہیں ہے اگر مال مانگو اسمیں کلام ہے'' (۲)'' اس طبیب روحانی نے کہا کہ ان حکمائے یونان نے جو علاج بھی کیا ہے وہ سب غلط اور بجائے تعمیر کے تخریب کی راہ ہے۔ اندر کے حال سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ میں ان کے افترا اور بہتان سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں''۔

بتلادو۔ میں نے کہا اگر اس وظیفہ کو پورا نہ کرسکے تو پھر دوسرا وظیفہ اس وظیفہ کی تکمیل کے واسطے پوچھنے آؤ گے۔ اور اگر آنکھ کھل بھی گئی اور اٹھنے میں سستی رہی تو پھر سستی کے لئے وظیفہ پھوچھو گے۔ بس ایک دن یوں ہی مجموعۃ الوظائف ہوجاؤ گے۔ اس طرح کام نہیں چلا کرتا۔ پابندی تہجد کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن ناغہ ہوتو چار آنے نفس پر جرمانہ کرکے کسی غریب کو دے دو اور جماعت صبح کی قضا ہوتو آٹھ آنے دو اور غیبت ہو جائے تو بیس رکعت پڑھو۔ چند دن میں ان شاء اللہ تہجد کی عادت اور نماز باجماعت کی عادت ہوجائے گی وظیفوں سے بھی کہیں امراض قلب کا علاج ہوا ہے۔ ان کا علاج بجز مجاہدہ کے کچھ نہیں ہاں ایک تدبیر اور ہے جو اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور مجاہدہ میں بھی برکت وتاثیر اسی کی بدولت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور ان کے پاس جایا کرو۔ اگر جانہ سکو خط وکتابت ہی رکھو اور غیبت کی حالت میں ان کے ملفوظات ومواعظ روزانہ مطالعہ کیا کرو۔ ناول ہی سمجھ کران کو دیکھ لیا کیجئے۔ جیسے ایک گھنٹہ ناولوں کے دیکھنے میں صرف کرتے ہو۔ تھوڑا سا وقت اسی میں سے اہل اللہ کے مواعظ کے مطالعہ کے لئے بھی نکال لو۔ ان شاء اللہ چند روز میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔

مراقبہ موت کی ضرورت

ایک کام اس کے ساتھ یہ بھی کرو کہ رات کو لیٹے ہوئے اپنے اعمال کا محاسبہ کیا کرو۔ دن بھر کے کاموں کو سوچا کرو کہ آج ہم نے کتنے گناہ کئے ہیں اور کتنے نیک کام کئے۔ گناہوں سے توبہ استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور رونے کی صورت ہی بنالو اگر رونا نہ آئے اور نیک کاموں پر شکر کیا کرو۔ اس کے بعد سونے سے پہلے موت کا تصور کرلیا کرو کہ جیسے ہم آج سو رہے ہیں اسی طرح

ایک دن ایسے سوئیں گے کہ قیامت ہی میں آنکھ کھلے گی۔ پھر ملک الموت کے آنے کا اور روح قبض کرنے کا اور قبر میں تنہا دفن ہونے کا تصور کرو۔ اس سے دنیا کی محبت اور اس کے ساتھ دلی وابستگی کم ہوگی اور گناہوں سے نفرت ہوگی۔ کیونکہ گناہوں کی منشاء غفلت عــن الآخــرۃ (۱) ہی تو ہے۔ جب موت اور آخرت کا دھیان غالب ہوگا تو گناہ خود بخود چھوٹنے لگیں گے۔ اس کو کر کے دیکھو پھر تو آپ بچوں کی طرح کھینچ کر بلائے جائیں گے۔ کہ

پابدست دگرے دست بدست دگرے (۲)

پھر ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی ہوگا کہ آپ بچپن سے نکل کر بلوغ کی حد میں داخل ہوجائیں گے اور باطنی بلوغ کیا ہے اس کو مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مست خدا　　نیست بالغ رہیدہ از ہوا(۳)

بالغ وہ ہے جو ہوائے نفس سے نکل جائے جب تک مسلمان ہوائے نفس سے نہ نکلے نابالغ طفل ہے اور جب اس سے نکل گیا بالغ ہوگیا۔ پھر جیسے بالغ ہوکر کوئی نابالغ نہیں ہوسکتا گو اس سے سارا سامان عیش چھین لیا جائے کپڑا اور روپیہ کچھ بھی اس کے پاس نہ رہے۔ مگر اس سے وہ نابالغ نہیں ہوسکتا اسی طرح طریق باطن میں وصول کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔ قبول کے بعد رد نہیں ہوتا جتنے لوٹے ہیں، راستہ میں سے لوٹے ہیں۔ واصل ہوکر کوئی راجع نہیں ہوتا۔ الفـانـی لا یـرد کے یعنی معنی ہیں۔

پھر بہرحال یہ طریقہ ہے پاکی قلب کا جس کا حاصل مجاہدہ ہے اور مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدہ بالمال ایک مجاہدہ بالبدن۔ پس اب دونوں مضمون ادا

(۱) آخرت سے بے پرواہی (۲) ہاتھ بھی دوسروں کے قبضے میں اور پیر بھی دوسروں کے قبضے میں
(۳) ''مخلوق میں وائے مست خدا کے سب بچے ہیں جو خواہش نفسانی نہ چھوڑ سکا وہ بالغ نہیں ہے''۔

ہوگئے اور معلوم ہوگیا کہ طہارت قلب کا طریق کیا ہے۔ اور طہارت قلب کی ضرورت پہلے معلوم ہوچکی تھی تو اب مقصود مکمل ہوگیا۔

خاتمہ البیان

اس مضمون کو سن کر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس مقام کے مناسب یہی مضمون تھا اور اس کی یہاں ضرورت تھی اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ شریعت نے مال کے خرچ کرنے کی کس طرح ترغیب دی ہے کہ کسی پر جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ انفاق مال کو چونکہ تطہیر وتزکیہ میں دخل ہے اس لئے شریعت نے ہم کو اس کا امر کیا ہے۔ باقی سوال کسی سے نہیں کیا جاتا ہر شخص کو اختیار ہے جو پاک ہونا چاہے وہ مجاہدہ مالیہ کرے جو پاک نہ ہونا چاہے وہ اپنے گھر بیٹھے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا، جو علماء احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنے والے ہیں وہ انفاق مال کا مضمون بھی محض تبلیغ کے طور پر بیان کیا کرتے ہیں۔ کسی سے اصرار و الحاح نہیں کرتے ہیں۔

مقصود وعظ

بس اب میں ختم کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس مضمون سے اس مدرسہ کو بھی نفع ہوگا جہاں یہ بیان ہورہا ہے اور میں صاف عرض کرتا ہوں کہ اس مضمون کے اختیار کرنے سے میرا یہ مقصود بھی ضرور تھا کہ سامعین کو امداد مدرسہ کی ترغیب ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مقصود ضرور تھا کہ ان کو ترغیب کا طریقہ بتلادوں کہ اہل حق اس طرح ترغیب دیا کرتے ہیں جس سے کسی کو وحشت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ محض مبلغ احکام شریعت ہوتے ہیں اور شریعت نے جس استغناء کے ساتھ ترغیب دی ہے اس سے وحشت ہو ہی نہیں سکتی۔

میں اس وعظ کا نام تزکیہ وتطہیر رکھتا۔ مگر دوسرے بیانات کے ناموں کی

مناسبت سے انہی کے وزن پر مطاہر الاموال(۱) رکھتا ہوں۔ جس میں اضافت بسوئے سبب ہے اور جمع کا صیغہ دلالت علی الانواع کے لئے ہے۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی اٰله و اصحابه وبارک وسلم واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

---

(۱) مال کی پاکیزگی۔